امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار
نقیب
پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

جلد نمبر 63/73 — مورخہ ۲۱؍ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۰؍جولائی ۲۰۲۳ء روز سوموار — شمارہ نمبر 25

اس شمارہ میں

- اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
- دینی مسائل، حکایات اہل دل
- علم حدیث کے لئے اکابر علماء کے اسفار
- خود بدلئے۔ حالات بدل جائیں گے
- سیرت نبوی ﷺ کا ایک درخشاں باب......
- موجودہ حالات میں امت......
- ملک کو یکساں سول کوڈ کی ضرورت نہیں
- اخبار جہاں، ہفتہ رفتہ، طب وصحت

تبرکات

یونیفارم سول کوڈ کی مخالفت کے اسباب

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ امیر شریعت رابع امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ

مسلمان یونیفارم سول کوڈ کے مخالف ہیں، ہندوؤں کا مذہبی طبقہ بھی اس سے اتفاق نہیں رکھتا، مسلمانوں کے اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یونیفارم سول کوڈ مذہبی تعلیمات سے متصادم ہے، اس کے نفاذ کے بعد عائلی اور شخصی زندگی میں قرآن وسنت کی ہدایات سے دستبردار ہونا پڑے گا اور ایک ایسے قانون کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا پڑے گا جس کے نتیجے میں مذہب کی مقرر کی ہوئی حدیں مٹ جائیں گی اور فرد کی شخصی زندگی سے حلال وحرام کا وجود ختم ہو جائے گا، مسلمان اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ وہ ان قوانین کے ذریعہ اپنی عائلی اور شخصی معاملات و مسائل کا حل نکالیں جن کا ہر قدم پر مذہب سے ٹکراؤ ہوتا رہے۔

جن لوگوں نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا ہے اور اسلام کو بعض دوسرے مذاہب کی طرح عبادات اور رسم ورواج کا مجموعہ سمجھتے ہیں، انہیں یکساں شہری قوانین کے نفاذ کے خلاف مسلم رائے عامہ کی وجہ سمجھ میں نہیں آسکتی اور جو لوگ مسلمانوں کی مذہب سے وابستگی کا علم نہیں رکھتے وہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ مسلم رائے عامہ اس مسئلہ پر کتنی مضبوط ہو سکتی ہے؛ لیکن مسلمانوں کی مذہب سے بھرپور وابستگی اور اسلامی تعلیمات کی وسعت انہیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ شخصی زندگی کے مذہبی قوانین سے دست بردار ہوں؛ کیونکہ یہ مذہبی قوانین بھی دین کا ایک اہم حصہ ہیں اور ان کی بنیاد بھی اسی طرح قرآن وسنت میں موجود، ہے، جس طرح نماز، روزہ اور دوسرے عبادات کی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والوں کے کچھ تہذیبی امتیازات ہوتے ہیں جن کا تعلق بڑی حد تک پرسنل لاء سے ہوا کرتا ہے، بعض مذاہب کے یہ امتیازات مذہبی تعلیمات کی بنیاد پر نہیں بلکہ رسم ورواج اور جغرافیائی حالات کے ماتحت ہیں، مسلمانوں کے بھی تہذیبی امتیازات ہیں جن کی بنیاد مذہبی تعلیمات پر ہے، مسلمان آمادہ نہیں ہیں کہ وہ تہذیبی امتیاز سے دستبردار ہوں، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مسلمان بلا وجہ امتیازی نقطۂ نظر یا علیحدگی پسندی کا جذبہ رکھتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ تہذیبی امتیاز، مذہبی تعلیمات کی بنیاد پر ہے، یوں بھی تہذیبی رنگا رنگی اور عائلی زندگی کے طور طریقوں کی جداگانہ نوعیت کا نتیجہ علیحدگی پسندی نہیں ہوا کرتا، علیحدگی پسندی، قومی معاملات سے بے تعلقی، مشترکہ سماجی رابطہ کی کمی، رفاہی کاموں سے دوری کی شکل میں سامنے آتی ہے، مسجد میں نماز نہ پڑھنے والا ہندو، مندر میں پوجا نہ کرنے والا مسلمان، گرنتھ صاحب پر عمل نہ کرنے والا عیسائی اور بائبل کی مقدس تعلیمات کو اپنے لئے غیر ضروری سمجھنے والا سکھ کبھی علیحدگی پسند نہیں کہا جا سکتا!

یونیفارم سول کوڈ کے حامیوں کے دلائل کا تجزیہ: جن بنیادوں پر یونیفارم سول کوڈ کی حمایت کی جاتی ہے، کوڈ کے مخالفین انہیں قابل قبول دلیل نہیں سمجھتے، کوڈ کی حمایت میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان کے تجزیہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دلائل اپنے اندر نہ منطقی قوت رکھتے ہیں اور نہ ہندوستانی مزاج وسماج سے ان کی تائید ہوتی ہے، مناسب ہے یہاں ان دلائل کا جائزہ لے لیا جائے، تاکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آجائے۔

1- سب سے اہم آئینی بحث ہے، جس نے اس مسئلہ کے لئے بیج کا کام دیا ہے جیسا کہ ابتدائی حصہ میں بیان کیا گیا، دستور ہند کے رہنما اصول (دفعہ 44) میں یکساں شہری قانون کا وعدہ کیا گیا ہے؛ لیکن دستور ہند میں بنیادی حقوق (دفعہ 25) کے تحت مذہبی آزادی کا وعدہ موجود ہے اور یہ یقین دہانی کی گئی ہے کہ ہر شخص کو مذہب قبول کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے کا پورا حق ہوگا، دستور کے متن کا ترجمہ یہ ہے:

دفعہ 25 (1) امن عامہ، اخلاق، صحت اور اس قسم کے دوسرے احکام کے تابع رہ کر تمام لوگوں کو ضمیر کی آزادی، مذہب کے اختیار کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت کا مساوی حق ہوگا۔

2- یہ آرٹیکل کسی ایسے مروجہ قانون کو متاثر نہیں کرے گا اور نہ ریاست کے لئے کسی ایسے قانون سازی کے لئے مانع ہوگا جس کے ذریعہ: (الف) کسی مذہبی رسم کے معاشی، مالی، سیاسی، یا کسی سیکولر پہلو کو منضبط یا محدود کیا جائے۔

(ب) سماجی بھلائی اور اصلاح یا ہندوؤں کے عوامی نوعیت کے مذہبی اداروں کو مندروں کے تمام طبقات کے لئے کھول دئے جانے کا اہتمام کیا جائے۔

مذہب کی آزادی کے ساتھ یکساں شہری قانون کی گاڑی نہیں چل سکتی، اس لئے ماہرین قانون کا خیال ہے کہ ان دونوں دفعات میں ٹکراؤ ہے، ان حضرات نے دونوں حصہ قانون، بنیادی حقوق اور رہنما اصول پر کافی بحث کی ہے اور مختلف کورٹ کے فیصلے بھی ان دونوں قسموں پر روشنی ڈالتے ہیں، ماہرین قانون اور عدلیہ کا عام رجحان یہی ہے کہ "بنیادی حقوق" کی دفعات زیادہ اہم اور مکمل قانون کا ایک حصہ ہیں "رہنما اصول" کی حیثیت کمزور ہے، اور اسے مستقل قانون نہیں کہا جا سکتا، مذہبی آزادی کا تعلق بنیادی حقوق سے ہے، اس لئے اسے قانونا پوری اہمیت حاصل ہے، اس قانون کے رہتے ہوئے یکساں شہری قانون نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

دستور کے یہ رہنما اصول ملک کے مستقبل کے لئے دستور سازوں کا خاکہ ہو سکتے ہیں؛ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ان خاکوں میں رنگ بھرا جائے، دستور میں "یونیفارم سول کوڈ" کے علاوہ اور چیزوں کے متعلق بھی رہنمائی موجود ہے؛ مگر نہ اس رہنمائی کو قانونی شکل دی گئی، نہ کسی کو یہ شکوہ ہے کہ اب تک یہ خاکے بے رنگ پڑے ہوئے ہیں، اسی پر بس نہیں، بعض ایسے "رہنما اصول" بھی ہیں، جنہیں قانونی شکل دی گئی اور اس پر عمل کے لئے اقدامات کئے گئے اور بعد میں ان قوانین میں اتنی گنجائش پیدا کر دی گئی اور ایسی راہیں نکال دی گئیں کہ وہ بے حیثیت ہو کر رہ گئے ہیں "شراب بندی" اس کی ایک مثال ہے، گاندھی جی کی ہدایت میں سے ایک شراب بندی بھی ہے، جس کے بارے میں وہ آزادی سے پہلے بھی بارہا اپنے خیالات ظاہر کر چکے تھے، جنگ آزادی کے لئے لڑنے والی، ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس نے بھی شراب کے استعمال کے خلاف آزادی سے پہلے ہی تجویز میں پاس کی تھیں، دستور ہند میں "شراب بندی" کے لئے "رہنما اصول" میں واضح الفاظ موجود ہیں، اس مقصد کے حصول کے لئے قوانین بھی بنائے گئے؛ لیکن حالات سے مجبور ہو کر شراب نوشی کو دوبارہ قانونی تحفظ مل گیا۔

ہندوستان میں قانون کو منطبق کرنے کی یہ شکل بھی بتاتی ہے کہ "رہنما اصول" پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے اور قانونی روایت (Tradition) کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ رہنما اصول ملک کے مستقبل کا یقینی خاکہ بھی نہیں ہے، ہاں! انہیں دستور سازوں کا خواب کہا جا سکتا ہے، جو کبھی پورا ہوتا ہے اور کبھی اس کی تعبیر تلاش میں زندگی موت کی سرحدوں کو چھو لیتی ہے۔

2- سیکولرزم کا یہ مطالبہ نہیں ہے کہ ہندوستان میں یونیفارم سول کوڈ نافذ کیا جائے نہ سیکولرزم کا یہ مفہوم ہے کہ ریاست کے چپہ چپہ سے مذہبی نقوش، سماج سے مذہبی روایات، اور افراد کے دلوں سے مذہبی تعلیمات کو کھرچ کھرچ کر مٹا دیا جائے، سیکولر ریاست کا مطلب صرف یہ ہے کہ حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہوگا وہ کسی مذہب کی طرف دار نہیں ہوگی اور کسی مذہب کے ماننے یا نہ ماننے کی وجہ سے کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا، ہر فرد کو مذہب کے قبول کرنے کی آزادی ہوگی، یہ مفہوم دستور ہند سے واضح ہوتا ہے اور اس مفہوم کے پیش نظر یہاں قوانین بنائے گئے ہیں اس کے بعد یہ سوال نہیں اٹھتا کہ سیکولرزم کا لازمی تقاضہ یونیفارم سول کوڈ ہے۔

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سیکولرزم ایک مصالحتی راستہ ہے، جس کے تحت ریاست کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ عام ملکی معاملات کے لئے قوانین بنائے بین الاقوامی امور میں حصہ لے، ریاست کے باشندوں کی عمومی زندگی کے مسائل کا حل تلاش کرے اور فرد کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ شخصی اور عائلی زندگی میں ان قوانین کو قبول کرے جن پر وہ مذہب یا رسم ورواج کی بنیاد پر عمل کرتا رہا ہے۔ اگر سیکولرزم کا مفہوم اس کے علاوہ کچھ اور قرار دیا جائے اور سیکولرزم کو مسلم پرسنل لا کے خاتمہ کا ذریعہ بنایا جائے، تو اسے اکثریت کی ڈکٹیٹرشپ کہہ سکتے ہیں، سیکولرزم نہیں۔

3- یہ حقیقت ہے کہ مذہبی قوانین پرانے ہیں؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ منجمد ہیں، ان کی افادی حیثیت ختم ہو چکی ہے اور وہ سماجی گتھیوں کو سلجھانے کی صلاحیت کھو چکے ہیں، مذہبی قوانین کے دو حصے ہیں، ایک حصہ بنیادی اور اصولی ہے جن میں کسی قسم کی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے، دوسرا حصہ وہ ہے جو حالات کے الٹ پھیر، عرف ورواج کے بدلنے اور وقت کے تقاضوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے بدل سکتے ہیں اور بدلتے رہے ہیں قانون کے اس دوسرے حصہ کی موجودگی میں یہ کہنا غلط ہوگا کہ مذہبی قوانین منجمد ہیں یا ان کی افادی حیثیت اور سماجی گتھیوں کو سلجھانے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے، یہ نقطۂ نظر بھی اپنے اندر کوئی منطقی قوت نہیں رکھتا کہ کوئی قانون قدیم ہونے کی وجہ سے فرسودہ ہو جائے نہ ہر قدیم چیز بے کار ہو جاتی ہے اور نہ ہر نئی چیز کارآمد۔ (بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

اچھی باتیں

"وقت" پیدا کرنے والے کو "وقت" دے کر دیکھو وہ تمہارا "وقت" بدل دیگا ☆ لوگ دیواروں کے کان سے ڈرتے ہیں، مگر فرشتوں کے قلم سے نہیں ☆ ہمیشہ اچھے لوگوں سے دوستی رکھو وہ اچھے وقت میں سرمایہ اور برے وقت میں ہمدم وہمدرد ہوتے ہیں ☆ زمین کے اوپر عاجزی سے رہنا سیکھو، زمین کے نیچے اطمینان سے رہ پاؤ گے ☆ ہم نے محبتوں رحمتوں اور خوشیوں کی گنتی چھوڑ دی، اب ہم صرف دکھ درد اور پیسوں کو گنتے ہیں ☆ کبھی ہم بھی آپ جیسے ہوا کرتے تھے اور جلد آپ بھی ہم جیسے ہو جائیں گے۔" (حاصل مطالعہ ومشاہدہ)

بلا تبصرہ

"یونی فارم سول کوڈ کا لیبل لگا کر جو سب کے لیے یکساں شہری قانون آئے گا وہ ہندو راشٹر کی طرف اگلا قدم ہوگا، مسلم پرسنل لا ہی نہیں تمام مذاہب کے پرسنل لا اور قبائلی رسم ورواج کو ختم کرنے والا ہوگا، ہندوستان کا اکثریتی طبقہ بھی اس سے متاثر ہوگا، وہ اس مہم میں اس لیے آگے نہیں آرہا ہے کہ اسے یقین ہے کہ جس طرح ایک ہی طرح کے دو قانون ۳۷۰ اور ۳۷۱ میں ۳۷۰ کو کالعدم کر دیا گیا اور ۳۷۱ کو باقی رکھا گیا، ویسا ہی کچھ اس بار بھی ہوگا یا پھر جس طرح سی اے اے، این آر سی میں سارے مذاہب والوں کو شہریت دینے کی بات کہی گئی اور مسلمانوں کو چن چن کر نکالنے کی، ویسا ہی کچھ یونی فارم سول کوڈ میں ہوگا۔" (واحد متکلم)

اللہ کی باتیں ---- رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

''وہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کر کے ہی رہیں گے، اگر چہ کفر کرنے والوں کو ناپسند ہو'' (سورہ توبہ:۳۲)

مطلب: مذہب اسلام ایک صاف ستھرا مذہب ہے، جس کو خالق کائنات نے فطرت انسانی کے عین مطابق بنایا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پوری انسانیت تک پہونچایا ہے، چنانچہ عہد نبوت میں یہ دین حق پورے آب وتاب کے ساتھ پھیلتا رہا، مخالفت ومزاحمت کی تیز وتند جھونکوں میں بھی اسلام اپنی روشنی بکھرتا رہا، جس کے باعث لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے، حالانکہ کفر کی طاقتیں چاہتی تھی کہ دین اسلام کو پروان نہ چڑھنے دیا جائے، لیکن اسلام کی محبت وچاشنی ایسی تھی کہ لوگ اس کو قبول کرتے گئے اور اللہ نے حق کو حق کر کے دکھلایا اور باطل کو باطل کر دیا، البتہ کچھ مخالفین کی ٹولیاں اور طبقے ہر دور میں ہوتے رہے ہیں، جو اسلام کے بارے میں پروپیگنڈہ کرتے رہے اور لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلاتے رہے، لیکن اسلام کا دائرہ بڑھتا رہا، یہ تو ممکن ہوا کہ مسلمان کسی خطہ میں عددی اعتبار سے کم رہے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ اسلام کبھی مغلوب ہوا ہو، تاریخ اسلام کا تجربہ اس پر شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے قرآن وسنت پر پوری طرح عمل کیا تو کوئی کوہ ودریا ان کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکا اور یہ غالب آ کر رہے اور جب کہیں، جہاں کہیں ان کو مغلوب یا مقہور ہونے کی نوبت آئی ہے تو وہ قرآن وسنت کے احکام سے غفلت اور خلاف ورزی کا نتیجہ تھا، جو ان کے سامنے آیا، دین حق پھر بھی اپنی جگہ کامیاب ہی رہا اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ دین غالب ہی رہے گا اور محفوظ بھی اور اپنے عادلانہ نظام اور عالمگیر نظریہ مساوات انسانی کی بنیاد پر پھیلتا ہی رہے گا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی کچا مکان باقی نہ رہے گا جس میں اسلام کا کلمہ داخل نہ ہو جائے، عزت داروں کی عزت کے ساتھ اور ذلیل لوگوں کی ذلت کے ساتھ جن کو اللہ تعالیٰ عزت دیں گے، وہ مسلمان ہو جائیں گے اور جن کو ذلیل کرنا ہوگا، وہ اسلام کو قبول تو نہ کریں گے، مگر اسلامی حکومت کے تابع ہو جائیں گے'' (معارف القرآن، ج:۴)

اس لئے اگر ہم اس دین حنیف سے جڑے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کی بنیاد پر عزت عطا کریں گے اور ہماری حفاظت بھی فرمائیں گے اور جو لوگ اسلامی تہذیب کو فسخ کرنے یا مسلمانوں کو اپنے اندر ضم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، اللہ اس کے منصوبوں کو ناکام کر دیں گے، اس لئے آج وقت کا شدید تقاضا ہے کہ ہم اپنی ملی قیادت پر بھرپور اعتماد کرتے ہوئے ہمت وجرأت، حکمت وتدبیر اور صبر واستقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کریں اور ان تدبیروں کے ساتھ خدا کے کارساز سے امداد ونصرت کی دعائیں بھی کرتے رہیں، خدانخواستہ اگر ہم نے وقت کے اس اہم طوفان سے چشم پوشی کی اور اپنی عافیت کوشیوں میں مبتلا رہے تو جان لیجئے کہ تاریخ اس جرم کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

سینہ کو بغض وعداوت کی آلائشوں سے پاک رکھئے

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسد سے بچو، اس لئے کہ حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے، جیسے آگ لکڑی کو یا سوکھی ہوئی گھاس کو کھا جاتی ہے، راوی کو شک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑی کا لفظ بیان فرمایا تھا یا سوکھی گھاس کا لفظ بیان فرمایا'' (ترمذی شریف)

وضاحت: اس حدیث شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی ایک خطرناک بیماری کا تذکرہ کرتے ہوئے اس سے بچنے کی ترغیب دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بغض وحسد اور کینہ وعناد سے دل کو پاک رکھو، ورنہ یاد رکھو کہ جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو یا سوکھی گھاس کو لگ جائے تو وہ اس کو بھسم کر ڈالتی ہے، اسی طرح اگر کسی شخص میں حسد کی بیماری ہو تو وہ اس کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے، کیونکہ حسد کرنے والا اللہ کی تقدیر پر اور نظام تقسیم پر اعتراض کر رہا ہے کہ اللہ نے یہ نعمت فلاں کو کیوں دی اور مجھے اس سے محروم رکھا، ایسا انسان حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے، وہ ترقی اور خوشحالی سے محروم رہتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس طرح کی بری عادتوں اور خرابیوں سے بچنے کی تعلیم دی اور فرمایا کہ دیکھو بدگمانی کی عادت چھوڑو، کیونکہ جس انسان کے اندر یہ بیماری ہوگی اس کی اصلاح بہت مشکل ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے معاملہ کی چھان بین بھی مت کرو اور آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اس سے جہاں قلب وجگر تباہ ہوتا ہے، وہیں گھر اور سماج میں بے راہ روی پیدا ہوتی ہے اور اچھا خاصا خوشگوار ماحول بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے اور یہ مومنانہ شان کے خلاف ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں کون شخص سب سے بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو مخموم القلب اور زبان کا سچا ہو، صحابہ نے عرض کیا کہ زبان کا سچا شخص تو ہم سمجھ گئے، مخموم القلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا، اس کی تشریح آپ فرما دیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دل کا صاف اور خدا ترس انسان ہے، جس پر نہ گناہوں کا بوجھ ہو، نہ اس کے دل میں کسی کا کینہ ہو اور نہ حسد، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی کہ میرے صحابہ میں سے مجھ سے کوئی کسی کی کوئی بات نہ پہنچایا کرے، کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا دل تم سب کی طرف سے صاف ہو، معلوم ہوا کہ نبیؐ کے امتی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا سینہ بے کینہ ہو اور بغض وحسد کی آلائشوں سے پوری طرح پاک وصاف ہو، اللہ ہم سب کو اس کی توفیق بخشے۔ آمین

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

گود لینے کی شرعی حیثیت

س: اگر کوئی آدمی کسی بچہ کو گود لیتا ہے تو شرعاً کیا حکم ہے، کیا وہ متبنّٰی گود لینے والے جوڑے کی صلبی اولاد کی حیثیت رکھے گا؟

ج: اسلام کسی بچہ کو گود لینے، اس کی پرورش وپرداخت اور تعلیم وتربیت سے منع نہیں کرتا، البتہ متبنّٰی (گود لیا ہوا بچہ) کو صلبی (حقیقی) اولاد کی حیثیت دینے سے منع کرتا ہے اور سختی سے اس کی مخالفت کرتا ہے، جس کی وجہ سے شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو جو آپ کے غلام تھے، اپنا متبنّٰی بنالیا تھا، جب حضرت زید کے والد اور چچا انہیں لینے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو اختیار دیا، اگر تم گھر جانا چاہو تو جاسکتے ہو، لیکن حضرت زیدؓ نے والد کے ساتھ جانے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کو ترجیح دی، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ صرف آزاد کیا، بلکہ اپنا منہ بولا لڑکا بنالیا اور اعلان فرمایا کہ لوگو! زید اب میرا غلام نہیں، بیٹا ہے، وہ مجھ سے وارث ہوگا اور میں اس سے وارث ہوں گا: "جاء عمه وابوه يرغبان في فدائه، فقال لهما النبي صلى الله عليه وسلم وذالک قبل البعث خيراه، فان اختار كما فهو لكما دون فداء، فاختار الرق مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على حريته وقومه، فقال محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم عند ذالک: يامعشر قريش! اشهدوا انه ابني يرثني وارثه، وكان يطوف على حلق قريش يشهدهم على ذالک، فرضي ذالک عمه وابوه وانصرفا" (الجامع لاحکام القرآن: ۱۴/۱۱۸)

چوں کہ دور جاہلیت سے متبنّٰی کو حقیقی لڑکا سمجھا جاتا تھا، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان کے بعد حضرات صحابہ کرام حضرت زید بن حارثہ کو زید بن محمد کے نام سے پکارنے لگے، اس پر قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی، جس میں دور جاہلیت کے اس رسم کو غیر معتبر قرار دیا گیا اور لے پالک کو صلبی بیٹا اور وارث ہونے کو منسوخ ومسترد کر دیا: "وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآئَكُمْ اَبْنَآئَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ☆ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآئَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ" (سورۃ الاحزاب: ۴-۵)

لے پالک تمہارے بیٹے نہیں ہیں، ان کو بیٹا کہنا تمہارے منہ کی ایک بات ہے اور اللہ تعالیٰ تو سچی بات فرماتے ہیں اور سیدھا راستہ دکھاتے ہیں، ان کو ان کے باپوں کی نسبت سے بلایا کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ زیادہ انصاف کی بات ہے، اگر تم ان کے باپوں سے واقف نہیں ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں، اس سلسلہ میں تم پہلے جو غلطی کر چکے ہو، اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن آئندہ جو کچھ دل کے ارادہ سے کرو گے اس پر پکڑ ہوگی: "قوله تعالىٰ: ادعوهم لأبائهم، نزلت في زيد بن حارثة، وفي قول ابن عمر: ماكنا ندعو زيد بن حارثة الا زيد بن محمد دليل على ان التبني كان معمولا به في الجاهلية والاسلام، يتوارث به ويتناصر الى ان نسخ الله ذالک لقوله ادعوهم لأبائهم هو اقسط عند الله" (الجامع لاحکام القرآن: ۱۴/۱۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرے اور وہ یہ جانتا بھی ہو کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے: "عن سعد رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من ادعىٰ الیٰ غير ابيه وهو يعلم انه غير ابيه فالجنة عليه حرام" (صحيح البخاری: ۲/۱۰۰۱، باب من ادعىٰ الى غير ابيه)

معلوم ہوا کہ اسلام میں خود ساختہ رشتہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور صرف نکاح ہی ایک رشتہ ہے جو زبان کے بول سے وجود میں آتا ہے، اس کے علاوہ ماں باپ اور اولاد کا رشتہ صرف الفاظ سے وجود میں نہیں آسکتا، اگر متبنّٰی کو حقیقی بیٹے کا درجہ دیا جائے تو قرآن میں ترمیم یا تنسیخ لازم آئے گا اور یہ قیامت تک ممکن نہیں ہے، کیوں کہ یہ اختیار خود پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں تھا: "وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآئَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِىْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِىْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ" (سورۃ یونس: ۱۵)

متبنّٰی کو وراثت میں حصہ دینا

س: کیا متبنّٰی کو حقیقی بیٹا کا درجہ دے کر گود لینے والے کا وارث قرار دیا جاسکتا ہے؟

ج: اسلامی شریعت میں قانون میراث کوئی انسان کا بنایا ہوا قانون نہیں ہے کہ جب چاہیں اور جیسے چاہیں بدل ڈالیں، بلکہ یہ اس قادر مطلق کا بنایا ہوا قانون ہے، جس میں ذرہ برابر بھی کوئی تبدیلی یا ترمیم قیامت تک نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۱/۱۲/اور ۱۷۶ میں بڑی تفصیل کے ساتھ قانون میراث خود بیان کیا، وارثین کی تفصیل اور ان کے حصہ کی تعیین کی اور اس کے بعد فرمایا یہ قوانین اللہ کی قائم کی ہوئی حدیں ہیں، جن پر قائم رہنا دخول جنت کا سبب ہے اور ان سے تجاوز کرنا جہنم کو دعوت دینا ہے: "تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ☆ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ" (سورۃ النساء: ۱۳-۱۴)

ان آیات میراث میں اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی متبنّٰی کو وارث قرار نہیں دیا، ہاں بیٹا اور بیٹی کو وارث قرار دیا ہے، لہٰذا متبنّٰی جس کا بیٹا ہوگا یا بیٹی ہوگی یعنی جو اس کے اصل ماں باپ ہوں گے، ان کے ترکہ میں وراثت کا حقدار ہوگا، لیکن گود لینے والے کے ترکہ میں وراثت کا حقدار نہیں ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے متبنّٰی کو گود لینے والے کی حقیقی اولاد اور اس کے وارث ہونے کو مسترد کر دیا ہے (سورۃ الاحزاب: ۴-۵) اگر متبنّٰی کو گود لینے والے کے حقیقی بیٹے کا درجہ دے کر وارث بنایا جائے تو ایسی صورت میں غیر وارث کو وارث قرار دینا لازم آئے گا اور یہ ایسا وارث ہوگا جس سے اصل وارث بالکلیہ محروم ہو جائیں گے، جیسے بھائی، بہن خواہ حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی اور بہت سارے وارثین وہ ہوں گے جن کا حصہ اس کی وجہ سے کم ہو جائے گا اور یہ بہت بڑی حق تلفی ہوگی، پورا نظام وراثت متاثر ہوگا اور کتاب وسنت پر بڑا ظلم ہوگا، جو قطعاً صحیح نہیں ہوگا، ایک صاحب ایمان اس کو کبھی بھی قبول نہیں کر سکتا۔ فقط
واللہ تعالیٰ اعلم

Scanned with CamScanner

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار
نقیب

پھلواری شریف

جلد نمبر 63/73 شمارہ نمبر 25 مورخہ ۲۱ر ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۰ر جولائی ۲۰۲۳ء روز سوموار

قائدین کی مانیں

مختلف موقعوں سے اس بات کا اظہار کیا جاتا رہا ہے کہ مسلمانوں میں قیادت کا فقدان ہے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ فرمایا کرتے تھے کہ فقدان قیادت کا نہیں، پیچھے چلنے والوں کا ہے، سمع وطاعت کے جذبے سے کام کرنے والوں کا ہے، واقعہ یہی ہے کہ مسلم قیادت کے لیے بڑے بڑے لوگ سامنے آئے، اپنی ساری طاقت، توانائی، مال ودولت آرام وسکون قوم وملت کے مفاد پر قربان کر دیا، اپنے آشیانہ کو پھونک کر زمانہ کو روشنی بخش دی، ایک زمانہ میں پذیرائی بھی ہوئی، لوگوں نے فنائیت کا مظاہرہ بھی کیا، اور پھر دھیرے دھیرے جوش ٹھنڈا ہو گیا، اور لوگ پرانی روش پر آگیے، قائدین پکارتے رہے آواز لگاتے رہے منصوبے بناتے رہے، لیکن ان منصوبوں میں رنگ بھرنے کے لیے جس صلاحیت کی لوگوں کو ضرورت تھی اور جنہیں آگے آنا چاہیے تھا، وہ نہیں آسکے اور ان منصوبوں کو عملی رنگ وروپ دینا ممکن نہیں ہوسکا، اس لیے ضرورت ہے کہ قائدین کی باتوں کو مانیں، ان کے بنائے ہوئے خطوط پر چلیں، بغیر اجازت کے نہ آگے بڑھیں اور نہ پیچھے ہٹیں۔ سمع وطاعت کا مطلب یہی ہے کہ بات سمجھ میں آئے یا نہیں، جس کو قائد مان لیا، اس کی مانیں گے، اس کے نقش قدم کی پیروی کریں گے، ایمان والوں کی یہی صفت بیان کی گئی ہے، سمعنا واطعنا، اس کے برعکس بے ایمانوں کا معاملہ رہا ہے، وہ سنتے تو ہیں، لیکن مان کر نہیں دیتے، صرف سننا کافی نہیں ہے، اگر کوئی مریض حکیم کے پاس جائے، اس سے دوا لکھوا لائے، نسخہ کو بار بار پڑھے بھی، لیکن دوا نہ خریدے، استعمال نہ کرے، تو مرض صرف نسخے کو پڑھنے سے دور نہیں ہوگا، دوا کڑوی کسیلی ہو، کھانے پر جی بھی متلائے، لیکن اگر صحت یاب ہونا ہے تو دوا خریدنی ہوگی، استعمال کرنا ہوگا، تبھی مرض دور ہوگا، آج کے سماجی مسائل وامراض کو دور کرنا ہے تو اس کا واحد طریقہ قائدین کی باتوں کو ماننا ہے۔

یہ تمہیدی سطور یہ بیان کرنے کے لیے لکھے گیے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قائدین نے یونی فارم سول کوڈ کے خلاف، مسلم پرسنل لا کی حمایت میں آن لائن لا کمیشن کو آرا بھیجنے اور بھجوانے کی مہم چلا رکھی ہے، یہ مہم پورے ملک میں چل رہی ہے اور اب تک لاکھوں کی تعداد میں لا کمیشن کو آرا بھیجی جا چکی ہیں، ؟؟ جولائی تک ہی آرا بھیجنی ہے۔ لوگوں میں جوش ہے، جذبہ ہے اور ہر مسلک ومکتب فکر کے اتحاد کی وجہ سے یہ کام بڑی تیزی میں ہو رہا ہے، امارت شرعیہ کے تمام ذمہ داران حضرات قضاۃ اور کارکنان شب وروز حضرت امیر شریعت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی دامت برکاتہم سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے حکم پر پوری مستعدی سے لگے ہوئے ہیں، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے باوقار صدر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور جنرل سکریٹری مولانا فضل الرحیم مجددی مدظلہما کے ساتھ تمام مسلک ومکتب فکر کے قائدین نے واضح کر دیا ہے کہ ہم مسلم پرسنل لا بورڈ کے ساتھ ہیں، ہمیں یکساں سول کوڈ منظور نہیں، یہ مہم دراصل انہیں امور کا اعلان ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے لا کمیشن کو آرا بھیجنے کی مہم سے آگے بڑھ کر کچھ کرنے کو ابھی منع کیا ہے، احتجاج، جلوس، بڑے اجلاس، دھرنا اور سڑکوں پر آنیسے بھی روکا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی وہ مرحلہ نہیں آیا ہے، ہوسکتا ہے بعد میں نفقہ مطلقہ اور شاہ بانو کیس کی طرح اس کی بھی ضرورت پڑے، لیکن ابھی قائدین نے ان کاموں سے منع کیا ہے، اس لیے ہماری سعادت مندی یہ ہے کہ ابھی ان چیزوں سے باز رہیں، اتنا ہی کریں، جتنا ان کی طرف سے ہدایت ہے، جوش وجذبہ اچھی چیز ہے، لیکن ہوش کی بات یہ ہے کہ ابھی ہمیں قائدین کے چشم وابرو کا انتظار کرنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا غیر معمولی جوش وجذبہ ہمارے معاملہ کو دوسرا رخ دیدے، جو ہمارے لیے اور ساری ملت کے لئے ضرر رساں ثابت ہو۔

خانگی زندگی

انسان علمی، سائنسی اور تحقیقی میدان میں آگے بڑھ رہا ہے اور اس نے اپنے علم وعمل سے تسخیر کائنات کے قرآنی نظریہ اور الٰہی فرمان کو سچ کر دکھایا ہے، لیکن اس کے برعکس دین وشریعت سے دوری نے اس کی ذاتی زندگی کو اجیرن بنا رکھا ہے، خاندان ٹوٹ رہا ہے اور ذہنی سکون چھنتا جا رہا ہے، حالاں کہ اللہ رب العزت نے انسانی زندگی میں مرد وعورت کے نکاحی رشتے کو مودت ومحبت اور پرسکون زندگی کا سبب قرار دیا تھا، لیکن ہماری بے عملی، بدعملی اور اس رشتے کے احترام کی لازمی اہمیت کے نظر انداز کرنے کی وجہ سے گھر میں سکون وطمانینت جیسی کوئی چیز باقی نہیں رہی، بیش تر گھروں میں خانگی زندگی کو آپسی جھگڑے اور غلط فہمیوں نے برباد کر رکھا ہے، اس لیے گھر کے نظام کو درست کرنے کی ضرورت ہے، یہ درستگی گھر کو پرسکون بنانے کے لیے اصول کے درجے میں ہے، ہماری خانگی زندگی کی بے ترتیبی کے اثرات بچوں کی ذہنی نشو ونما پر پڑتے ہیں، ہم نے بچوں کی تربیت کا کام اسکولوں اور کنونٹوں کے ذمہ کر دیا ہے، جہاں اعلیٰ اخلاق اقدار کے فروغ کا کام تمام ہو چکا ہے، مادہ پرستی نے انہیں ایک صنعتی کارخانہ بنا دیا ہے جہاں نصاب پڑھا دیا جاتا ہے، اقدار نہیں پڑھائے جاتے، ایسے میں ہماری ذمہ داری کافی بڑھ گئی ہے، ہمیں اپنے گھر کے نظام کو چست درست رکھنا ہوگا، اور اس کے لیے ملکی قوانین وضوابط کی طرح کچھ اصولوں کو گھر میں رائج کرنا ہوگا، تاکہ ہماری خانگی زندگی اور گھریلو نظام دوسروں کے لیے بھی اسوہ اور نمونہ بن سکے اور پرسکون ماحول میں بچے اچھی تربیت پاسکیں۔

سب سے پہلا کام یہ کرنا ہوگا کہ گھر کا ہر فرد نماز وقت پر ادا کرے، قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کرے، نماز بندگی، عاجزی، درماندگی، بے کسی اور بے بسی کے اظہار کا بڑا ذریعہ ہے، نماز کی پابندی سے تواضع اور انکساری پیدا ہوتی ہے اور اپنے کو بڑا سمجھنے کے بجائے اللہ کی بڑائی کا خیال ذہن ودماغ پر جمتا ہے، جو سارے جھگڑوں کے ختم کرنے کا سبب بنتا ہے، اس لیے کہ جھگڑے اپنی بڑائی کے خیال سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

گھر کا ہر فرد کسی نہ کسی درجہ میں اپنے مقام مرتبہ اور حیثیت کے اعتبار سے "انا" کا شکار ہوتا ہے اور اس انانیت کی وجہ سے وہ دوسرے لوگوں کو اپنے سے کم تر سمجھتا ہے، ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے، اس لیے معاملہ بگڑتا چلا جاتا ہے، یہ بیماری نماز کے ذریعہ ہی ختم ہوسکتی ہے، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ تواضع اختیار کریں، آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع کو رفع درجات کا سبب بتایا ہے۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ۔

گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے برائے مہربانی اور شکریہ کے کلمات کو رواج دینا چاہیے اس سے ایک دوسرے کی وقعت دل میں بڑھتی ہے، آتے جاتے سلام کے الفاظ دل کے دروازے ایک دوسرے کے لیے کھولتے ہیں، یہ آداب ملاقات بھی ہے اور لوگوں کے لیے سلامتی کی دعا بھی، گھریلو مسائل جو بھی ہوں انہیں آپس میں ادب واحترام کے ساتھ ایک دوسرے کو منتقل کرنا چاہیے، مار پٹائی، گالی گلوج، لعن طعن سے بچنا چاہیے، عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اٹھانا انتہائی غلط حرکت ہے، یہ ہمارے خاندان کے کمزور افراد ہوتے ہیں، اور کمزوروں پر ہاتھ اٹھانا انتہائی بزدلی کی بات ہے، تنبیہ کی گنجائش تو ہے لیکن اس کا اسلوب بھی جارحانہ نہ ہو، اس لیے کہ یہی جارحیت خانگی زندگی کو جوالا مکھی اور آتش فشاں بنا دیتی ہے۔

خانگی نظام کو ٹھیک رکھنے میں ادب واحترام کے ساتھ خوش سلیقگی کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے، خوش سلیقگی یہ ہے کہ جب کوئی بات کرے تو توجہ سے سنی جائے، خواہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو، اس سے اس کے اندر یہ احساس جاگے گا کہ میری بات توجہ سے سنی گئی اور اسے اہمیت دی گئی، اہمیت کا یہ احساس گھروں میں جو باغیانہ تیور نئی نسلوں میں پیدا ہو رہے ہیں، اسے ختم کرنے میں معاون ومددگار ہوگا، یہ سلیقہ گھروں میں نظر بھی آئے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ گھر کا ہر فرد اپنے ذمہ لازم کر لے کہ جو چیز جہاں سے اٹھائے گا، وہیں رکھے گا، دروازہ اور کھڑکی کھولا ہے تو ضرورت پوری ہونے کے بعد اسے بند بھی کرے گا، رات کو بارہ بجے کے بعد کوئی جاگا نہیں رہے گا، فضول گفتگو نہیں کرے گا، رات کے اس حصہ میں واٹس ایپ اور دوسرے ذرائع کا استعمال بھی نہیں کرے گا، یہ پابندی آپسی مجلسی گفتگو کے وقت بھی جاری رہے گی۔

انفرادی طور پر کھانے کے بجائے اجتماعی طور پر خورد ونوش بھی گھر کے ماحول کو سازگار بنانے میں انتہائی معاون ہوتا ہے، اور اس سے بہت ساری غلط فہمیوں کا دروازہ بند ہوتا ہے، اپنے ضروری کام خود انجام دے لینا بھی اسوہ؟ رسول ہے، اپنے چھوٹوں پر رعب ودبدبہ کے ساتھ حکم جمانا بچوں کی نفسیات کے لیے مضر ہے، البتہ تربیتی نقطہ؟ نظر سے ایسا ماحول بچوں کو فراہم کرنا چاہیے کہ وہ اپنے بڑوں کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور اسے اپنی سعادت سمجھیں، دراصل یہ دوطرفہ الفت ومحبت کا معاملہ ہے، آپ چھوٹوں پر رحم کریں گے تو وہ اپنے بڑے کی توقیر کریں گے، گھر میں اگر وسعت ہو اور ہر ایک کے لیے الگ الگ کمرے مختص ہوں تو حتی الامکان دوسرے کے کمرے میں جانا اس کے سامان کو الٹ پلٹ کرنا بھی ممنوع ہونا چاہیے، جانا ضروری ہو تو دروازہ پہلے کھٹکھٹایا جائے، سلام کیا جائے، یہ سلام استیذانی کہلاتا ہے، سلام کا جواب مل جائے اور صاحب کمرہ استقبال کی پوزیشن میں ہو تو ضرور جانا چاہیے، بچوں کی تربیت کے لیے اچھے کاموں اور امتحان میں اچھے نتائج کے موقع سے حوصلہ افزائی بھی ضروری ہے، اس سے آگے بڑھنے کا حوصلہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے، گھر کے کسی فرد کی بیماری پر تیمارداری اور عیادت سے بھی آپسی محبت پروان چڑھتی ہے، اس لیے اس کام کو دوسری ضروریات پر مقدم رکھنا چاہیے، خانگی زندگی کو پرسکون رکھنے کے لیے اصول اور بھی ہیں فی الوقت اتنا ہی، باقی پھر کبھی۔

مجبوری میں نہیں خوشدلی سے

دین پر چلنا آسان ہے، اس کے اصول وضوابط آسانیاں پیدا کرتے ہیں، اس پر چلنے سے ذہنی سکون ملتا ہے اور تناو؟ کی کیفیت سے آدمی باہر آجاتا ہے، دین سے جس قدر دوری ہوگی اسی قدر پریشانیاں پیدا ہوں گی، عمومی احوال کے اعتبار سے دیکھیں تو مسلم سماج کو اس حقیقت کا ادراک نہیں ہے، وہ دین پر چلنا اور اس کے احکام کو ماننا اس وقت پسند کرتا ہے جب معاملہ اختیار کا باقی نہ رہے، اور حالات اضطرار کے پیدا ہو جائیں۔

اس کو مثالوں سے سمجھنا ہو تو جان لیجئے کہ میت کی تدفین میں جلدی کرنے کا حکم ہے، ہم ایسا نہیں کرتے چوبیس گھنٹے روک لینا تو عام سی بات ہے کبھی دو چار دن بھی روک لیا جاتا ہے، اس وقت جب شریعت پر عمل کرنا اختیاری ہوتا ہے، لیکن اگر خدانخواستہ کسی نے خودکشی کر لی، تو حالت اضطرار میں فوری تدفین کا خیال آتا ہے، تاکہ تھانہ پولیس کے جھنجھٹ سے بچا جاسکے، کاش یہ خیال عام موت کی شکل میں بھی آتا اور تدفین میں جلدی کر لی جاتی، اور یہ خیال رکھا جاتا کہ میت اگر نیک ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے جلد قبر میں جاکر بہرہ ور ہونے لگے اور خدانخواستہ بد ہے تو زمین اس کے وجود سے جلد پاک ہو جائے۔

یہی حال ہمارا توکل اور قناعت کے سلسلے میں ہے، ہمارے پاس مال ودولت کی کمی ہے، بھوک پیاس سے بے حال ہیں تو توکل اور قناعت کا سبق یاد دلایا جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر پتھر باندھنے کا ذکر آتا ہے، کئی کئی روز کے فاقے اور پوری زندگی شکم سیر نہ ہونے کی بات کہی جاتی ہے، لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر وفاقہ کو اختیار کیا تھا، ان کا معاملہ اضطرار کا نہیں تھا، جب احد پہاڑ سونے کا آپ کے کہنے سے ہوسکتا تھا اس کے باوجود آپ نے الفقر فخری کا اعلان کیا، یقیناً آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ ہے اور ہر حال میں ہے، لیکن ہمیں یہ فرق یاد رکھنا چاہیے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضی سے اسے اختیار کیا تھا، اور ہم حالت اضطرار میں جب کچھ دستیاب نہیں ہوتا تو ان احوال وواقعات کے ذکر سے دل کو تسلی دیتے ہیں، یقیناً آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح زندگی گزارنا پریشان حال لوگوں کے لئے نمونہ ہے اور صبر وشکر، توکل علی اللہ اور اعتماد کا بڑا ذریعہ بھی، لیکن جب ہم آسودہ حال ہوتے ہیں تو ہمارا عمل بالکل دوسرا ہو جاتا ہے، فضول خرچی، لہو ولعب میں ہمارا سرمایہ زیادہ خرچ ہوتا ہے، منکرات اور گناہوں کے کام کی ہمارے یہاں فراوانی ہو جاتی ہے اور ہم شریعت کی روشنی میں خوشی وغمی نہیں مناتے، بلکہ من مانی پر اتر آتے ہیں، اسی طرح جب ہم کمزور پڑ جاتے ہیں، دشمن سے بدلہ لینے کی سکت ہم میں نہیں ہوتی تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمنوں کے ساتھ سلوک یاد آتا ہے، اور عفو درگذر کی بات کی جاتی ہے، طائف کی گلیوں میں دشمنوں کو معاف کر دینے کا ذکر کیا جاتا ہے، فتح مکہ کے موقع سے اذھبوا انتم الطلقاء (جاؤ تم سب آزاد ہو) کا ورد کیا جاتا ہے، قرآنی آیت والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس کی تلاوت کی جاتی ہے، یہ سب کچھ بدلے کی طاقت نہ پاکر کیا جاتا ہے، اگر بدلے کی طاقت موجود ہے تو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ شریعت کا مطالبہ ہر حال میں دین پر عمل کرنے کا ہے، حالت اختیار میں بھی اور حالت اضطرار میں بھی، بلکہ جو لوگ بھی حالت اضطرار کو اختیار میں بدلنے پر قادر ہوں، انہیں چاہیے کہ ایسا ماحول پیدا کریں کہ اضطرار کی نوبت ہی نہ آئے سب کچھ اختیاری رہے اور قدرت واختیار کے باوجود شریعت پر عمل ہماری زندگی کا لازمہ بن جائے۔

Scanned with CamScanner

یادوں کی بہار ✍: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ

مؤمن کی زندگی کا اختتام موت پر ہوتا ہے جو اصلاً عالم برزخ ہو کر عالم آخرت تک پہونچنے کا دروازہ ہے، فرمان نبوی کے مطابق موت ایک پُل ہے جو محبوب کو محبوب سے ملا دیتا ہے، یہ ایک تحفہ ہے جسے اللہ کی جانب سے اللہ کے فرشتے بندۂ مومن کے پاس لے کر آتے ہیں، اور روح کو قفسِ عنصری سے لیکر چلتے بنتے ہیں، اس دروازے میں داخل ہونے اور پُل سے گذرنے کے بعد ایک ایسی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہونے والی ہے، اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان ازلی تو نہیں ابدی ہے، عہدِ الست سے گذرنے کے بعد کسی نہ کسی حیثیت سے وہ ہمیشہ باقی رہتا ہے، اس ہیشگی کی زندگی کی بہتری کا مدار دنیوی اعمال پر ہے، اس لئے دنیا کو آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے، اس کھیتی میں حسنِ عمل، پختہ ایمان، حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی کے بعد ہی اچھی فصل لہلہاتی ہے اور بالآخر انسان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں اپنا ٹھکانہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

لیکن دنیا کی چکا چوند اور عیش و آرام کی زندگی اس راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے اور انسان خواہی نخواہی شیطان کے مکر و فریب کا شکار ہو کر آخرت کے اعتبار سے ناکام ہو جاتا ہے، اسی لئے صوفیاء نے فکرِ آخرت اور حیات بعد الممات کے مراقبہ پر زور دیا ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے انسان شیطانی مکر سے بچ جاتا ہے، اور آخرت میں کامیاب ہو جاتا ہے، یہ وہ دولت ہے جو ہر کسی کے حصہ میں نہیں آتی۔

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی (آمد: ۷؍مارچ ۱۹۲۶ء رفت: ۳۱؍مارچ ۲۰۱۱) بن منشی شمس الدین کو اللہ رب العزت نے فکرِ آخرت کی دولت سے نوازا تھا اور اس دولت نے ان کی زندگی کو تقویٰ کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا، تقویٰ کے اثرات ان کی زندگی، بود و باش، علمی مشغلے، تدریس و تصنیف اور تبلیغ دین میں کھلی آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں، ان کی مثال اس پھلدار درخت کی طرح تھی جو پھلوں کے بوجھ پر اکڑتا نہیں، جھک جاتا ہے، ان کی علمی فتوحات، فقہی بصیرت نے ان کے اندر تواضع و انکساری پیدا کر دیا تھا، اللہ کی بڑائی کے تصور نے ان کے اندر سے دوسری ساری بڑائی کا خیال نکال دیا تھا، اس کی وجہ سے کسی بڑے کے سامنے زندگی بھر وہ سجدہ ریز نہیں ہوئے۔ یہی ایک مومن کی شان ہے، سجدہ صرف اس خدائے برتر کو زیبا ہے، عہدے، جاہ و منصب کا احترام تو وہ کرتے تھے لیکن بچھ جانے کا مزاج ان کا کسی دور میں نہیں رہا، فکرِ آخرت نے انہیں ظاہری بناؤ سنوار سے بھی بڑی حد تک بے نیاز کر دیا تھا، صفائی ستھرائی ان کے مزاج کا حصہ تھا، لیکن آج کی اصطلاح میں جسے بننا سنورنا کہتے ہیں اس سے وہ کوسوں دور تھے، یہ صفت ان کے اندر ان کے نامور استاذ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی صحبت سے پیدا ہوئی تھی، جو عالمی شہرت یافتہ محدث اور اسماء رجال کے بڑے ماہر تھے، اور مئو کے لوگ ان کی علمی عبقریت و عظمت کے اعتبار سے انہیں ''بڑے مولاناؒ'' کہا کرتے تھے، لیکن کتابوں کے درمیان سادگی کے ساتھ ان کی زندگی گذرتی تھی، حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی نے علم و صلاح کے ساتھ یہ صفت بھی ان کی اپنے اندر جذب کر لیا تھا، ان کا خیال تھا کہ خوبصورتی ان کپڑوں سے نہیں ہے جو انسان زیب تن کرتا ہے، اصل خوبصورتی علم و ادب کی خوبصورتی ہے۔ عربی کا مشہور شعر ہے۔

لیس الجمال باثوب تزیننا
ان الجمال جمال العلم والادب

حضرت مفتی ظفیر الدین کے دل میں بزرگوں کی صحبت سے فکرِ آخرت کی آگ لگی گئی تھی، انہیں بیعت کی سعادت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور ان کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے حاصل تھی، خلافت و اجازت مولانا فضل اللہ جیلانیؒ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے بخشی تھی۔ اس لئے ان کی تحریر و تقریر میں اس کا عکس صاف طور پر دکھائی دیتا تھا، ان کی تقریروں میں اصلاحِ حال اور فکرِ آخرت کے حوالے سے دردمندی جھلکتی نہیں، چھلکتی تھی، ان کے کالبد خاکی میں جو تڑپتا ہوا دل تھا، اس کی تڑپ اور کسک سامعین محسوس کرتے تھے، یہ تڑپ اور بے چینی، مخلوق کو خالق سے قریب کرنے کا یہ جذبہ ان کے اوراد و اذکار، باجماعت تکبیر اولیٰ کے ساتھ صف اول میں نماز کی پابندی، تلاوت قرآن کے اہتمام اور تہجد وغیرہ کے معمولات کی پابندی کی وجہ سے پائے جاتے تھے، وہ فنا فی اللہ ہو گئے تھے اور اس مقام پر پہونچ کر وہ اللہ کے ہو گئے تھے اور اللہ ان کا ہو گیا تھا، اب ان کے اعضاء و جوارح سے جن اعمال کا صدور ہوتا وہ مرضیات الٰہی، احکام خداوندی اور طریقۂ نبوی کے مطابق ہوا کرتا تھا، یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اللہ بندے کا ہاتھ بن جاتا ہے، جس سے وہ کام کرتا ہے، اللہ بندے کی آنکھیں بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے، اللہ بندہ کا پاؤں بن جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے، یہ مرضیات الٰہی پر چلنے کی تفہیم و تعبیر ہے، اسے وحدۃ الوجود کے عقیدہ سے جوڑ کر نہیں دیکھنا چاہئے، حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ نے حضرت مفتی صاحب کے بارے میں لکھا ہے:

''وسعت علم، اصابت رائے، خلوص، للہیت، دینی و ملی فکرمندی، جہد مسلسل اور قلم کی تیز گامی میں بے مثال تھے، سادگی اور عزلت نشینی کے عادی تھے'' (حیات ظفیر ۳۱۔۳۲)

مولانا مفتی ظفیر الدین صاحبؒ اپنے کام سے کام رکھنے والے انسان تھے، انہیں لائی نہیں آتی تھی اور ان کی اپنی اتنی مضبوط صلاحیت تھی کہ وہ دوسروں کو گرا کر آگے بڑھنے کے قائل نہیں تھے، جیسا آج کل ہمارے عہد میں رواج ہے کہ جب تک دوسرے کی برائی نہ کرو، سامنے والے کے قد کو مختلف عیوب لگا کر چھوٹا نہ دکھاؤ، تب تک اگلے کا قد بڑا ہوتا ہی نہیں ہے، کئی لوگ تو آپ کو روند کر آگے بڑھنے سے بھی گریز نہیں کرتے، ان کا مقصد صرف اپنی ناموری ہوتی ہے، چاہے اس کے لئے تمام شرعی حدود و قیود کو توڑنا ہی کیوں نہ پڑے، ایسے لوگوں میں کسی بڑی لکیر کے سامنے اس سے بڑی لکیر کھینچنے کی صلاحیت تو ہوتی نہیں، البتہ وہ سامنے کی لکیر کے بعض حصے کو مٹا کر اپنی لکیر بڑی دکھا دیتے ہیں۔

حضرت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ کو یہ طریقہ نہیں آتا تھا، آتا بھی تو وہ اس کو بَرت نہیں سکتے تھے، کیوں کہ فکرِ آخرت ان کو دامن گیر ہو جاتی، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی کو کتب خانہ کی ترتیب جدید کا کام سونپا گیا تو عام خیال یہی تھا کہ انہیں یہ کام پہلے سے کام کر رہے ناظم کتب خانہ کو سائڈ کرنے کے لئے سونپا گیا ہے، کیونکہ ناظم کتب خانہ کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ قاری محمد طیب صاحبؒ کے خلاف جو لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں اس میں اصل دماغ مولانا موصوف کا ہی کام کرتا ہے، لیکن مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے اپنے طرز عمل، رویے اور مخلصانہ جد و جہد کے ذریعہ جلد ہی لوگوں کی غلط فہمیاں دور کر دیں اور ناظم کتب خانہ کا شمار بھی مفتی صاحب کے مداحوں میں ہونے لگا۔

مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ کے مزاج میں اعتدال اور توازن تھا، خوشامد پسندی اور چاپلوسی کا مزاج انہوں نے پایا نہیں تھا، ان کی اس صفت خاص نے مفتی صاحب کو عوام و خواص میں مقبول بنا رکھا تھا، وہ طلبہ کی حوصلہ افزائی میں طاق تھے، اور حق بات بے باکی اور سلیقہ سے کہنا جانتے تھے، وہ خاموش رہنا پسند کرتے تھے، لیکن بولتے تو حق بات بولتے، البتہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے اور اس پر عمل پیرا بھی تھے کہ تمام حق بات کا کہنا شرعی فریضہ نہیں ہے، ورنہ آدمی سرمد و منصور بن کر رہ جائے گا، ان کی مضبوط اور سوچی سمجھی رائے تھی کہ جب بولا جائے تو حق بولا جائے، بقول ان کے صاحب زادہ ڈاکٹر ابوبکر عباد اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو دہلی یونیورسیٹی ''ابوجان سچی اور صحیح بات کہنے میں بے باک ہی نہیں کافی حد تک بے احتیاط تھے، ممکن ہے یہ سادگی صاف گوئی اس بے خوفی کی زائیدہ ہو جو ان کی شخصیت کا لازمی حصہ تھے (میرے ابوجان حیات ظفیر ۶۲)

مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے صبر و شکر کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا، انقلاب دار العلوم کے موقع سے ان کی تصنیفات و تالیفات کے کئی مسودے کتابوں کی پلیٹیں ان کے کمرے سے غائب کر دی گئیں، یہ ان کی زندگی کا بڑا سانحہ تھا، قاری محمد طیبؒ سے قلبی تعلق کی وجہ سے سقوط اہتمام اور انقلاب کا معاملہ حضرت مفتی صاحب کے لئے کم جاں گسل نہیں تھا کہ اس علمی سرمایہ کے ضیاع نے انہیں اندر سے توڑ کر رکھ دیا، میں بھی اس زمانہ میں دار العلوم دیوبند کا طالب علم تھا، میں نے بعض مسودات مال غنیمت پر قبضہ کرنے والوں سے حاصل کر کے محاسبی میں جمع کر دیا تھا، بعض کتابوں کی پلیٹیں بھی برآمد کر کے امانتاً وہاں ڈال دی تھیں کہ حضرت تک پہونچ جائے، لیکن تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ وہ ان تک نہ پہونچے، سو نہیں پہونچا، حضرت مفتی صاحب کو اس کا غم و الم پوری زندگی رہا، لیکن اللہ رب العزت نے صبر و ثبات کی جو دولت انہیں عطا کی تھی اس نے انہیں حوصلہ بخشا اور مشکل حالات میں زندگی گذارنے والے بہتوں کے لئے وہ نمونۂ عمل بن گئے اور ہم جیسے چھوٹوں کو یہ درس دے گئے کہ حالات موافق ہوں تو شکر کرو اور سازگار نہ ہوں تو صبر کو نصب العین بنا لو، یہ لکھنا جتنا آسان ہے عملی زندگی میں اسے برتنا اسی قدر مشکل اور دشوار ہے، مفتی صاحب کو اس علمی خزینے کی گم شدگی کا افسوس تو زندگی بھر رہا اور جب بھی اس حادثہ کی یاد آتی دل خون کے آنسو روتا، لیکن مجال ہے کہ صبر و ثبات کے قدموں میں کوئی تزلزل اور راضی برضاء الٰہی کے ریشمی تار پر کوئی بل آیا ہو۔

مفتی صاحب کو امارتِ شرعیہ اور اکابر امارتِ شرعیہ سے فطری انسیت تھی، حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے، امیر شریعت سابع حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانیؒ کو وہ ہمیشہ ''پیر جی'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے، امارت شرعیہ کو علمی و فکری انداز میں اہل علم کے درمیان مقبول کرنے میں بانی امارت شرعیہ حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد، نائب امیر شریعت ثانی مولانا عبد الصمد رحمانیؒ کے بعد تیسرا بڑا نام حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ کا ہے، ''امات شرعیہ کتاب وسنت کی روشنی میں'' اور ''امارت شرعیہ دینی جد و جہد کا روشن باب'' نامی کتاب کا شمار امارت شرعیہ پر کام کرنے والوں کے لئے حوالہ جاتی کتب میں ہوتا ہے، آخر الذکر کو تا حال مرتب کرنے کی ذمہ داری حضرت امیر شریعت سابعؒ نے میرے ذمہ کی تھی، کام میں پھیلاؤ اور وقت میں تنگی داماں کی شکایت کی وجہ سے کام ابھی مکمل نہیں ہو سکا ہے، دعا کی ضرورت ہے کہ یہ کام میرے ہاتھوں انجام پا جائے یہ حضرت امیر شریعت سابعؒ کی خواہش کی تکمیل بھی ہو گئی اور حضرت مفتی صاحبؒ کی کتاب کا تکملہ بھی۔

لیکن میرے نام یہ قرعہ فال بعد میں نکلا، پہلے ہم لوگوں نے یہ کوشش کی حضرت مفتی صاحب ہی عمر کی آخری منزل میں اس کام کو کر دیں، چنانچہ امیر شریعت سادس حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کی گذارش پر وہ امارت شرعیہ تشریف لائے، قیام دفتر میں واقع حضرت امیر شریعت کے حجرے میں ہوا، ہم لوگوں نے بار بار یہ گذارش کی کہ آپ املا کرا دیں، ہم لوگ لکھ لیں گے، لیکن اس وقت ان کا حافظہ جواب دے رہا تھا اور فکرِ آخرت کا غلبہ اس قدر تھا کہ ذکرِ آخرت اور اپنی مغفرت کے علاوہ کوئی دوسری بات زبان پر آ ہی نہیں رہی تھی، شام میں بعد نماز مغرب ہم لوگوں نے تجویز رکھی کہ المعہد العالی کے طلبہ کو فتاویٰ نویسی کے حوالے سے کچھ نصیحت کر دیں، اصرار پر تشریف لے گئے، طلبہ کے سامنے کرسی پر فروکش ہوئے، اور اپنی بات شروع کی، میرا حافظہ اگر خطا نہ کر رہا ہو تو انہوں نے کہا کہ طلبۂ عزیز ہم آپ کے پاس کیوں آئے ہیں؟ جانتے ہیں، میں اس لئے آیا کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کر دیں، پھر خود کلامی کے انداز میں فرمایا کہ میری مغفرت ہو جائے گی نا، گلوگیر ہو گئے اور پھر خود ہی فرمایا کہ میرے اتنے شاگرد ہیں وہ سب مغفرت کی دعا کریں گے تو یقیناً اللہ معاف کر دے گا، بس اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے، ہم لوگوں نے لڑکوں کو ابھارا کہ سوالات کرو، جن کا حافظہ جواب دے رہا ہو ان کے تحت الشعور سے باتوں کے نکلوانے کا یہی طریقہ ان دنوں مروج ہے، چنانچہ ایک لڑکے نے سوال کر دیا کہ جد و جہد آزادی میں آپ کی کیا خدمات رہی ہیں، ذرا ہمیں بھی بتائیں، کہنے لگے، اس سے ہماری یا آپ کی آخرت کا کیا تعلق ہے؟ کہہ کر خاموش ہو گئے، لہجہ میں خفگی کا عنصر شامل تھا، ہم لوگ سمجھ گئے کہ اب اللہ کے یہاں جانے کی فکر کا غلبہ ہے، بقیہ باتیں ذہن میں سما ہی نہیں رہی ہیں، چنانچہ ہم لوگ مفتی صاحب کی مختصر دعا کے بعد امارت شرعیہ آ گئے، غالباً یہاں ایک دو روز قیام کیا، اس پیرانہ سالی کے باوجود مجھ سے جو انہیں محبت تھی، اس کے پیش نظر میری درخواست پر انہوں نے میری کتاب ''نئے مسائل کے شرعی احکام'' کا پیش لفظ لکھا اور بہت اچھا لکھا، یہ پیش لفظ شامل کتاب ہے، میری ایک اور کتاب غالباً نقد معتبر پر بھی ان کی تحریر موجود ہے؛ جو اصلاً اسی سفر کی یادگار ہے۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم کے مصداق یہ قصۂ پارینہ طویل ہو گیا، اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے اور ان کے علمی فیوض سے ہم سب کو بہرہ ور کرے اور ان کے اوصاف و کمالات، اطوار و اقدار کو اپنا کر ہم بھی کچھ کر پائیں، اس دعا پر اپنی بات ختم کرتا ہوں، آمین صلی اللہ علی النبی الکریم وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین۔

Scanned with CamScanner

حکایات اہل دل

از: مولانا رضوان احمد ندوی

ایک بزرگ ابوبکرؒ کی آپ بیتی: مشہور صحابی حضرت کعب بن مالکؓ کی اولاد میں ابوبکرؒ نامی ایک بزرگ گزرے ہیں، حضرت ابوبکرؒ نے قرآن وحدیث کی تعلیم مدینے کے علماء سے حاصل کی اور جو کچھ حاصل کیا اس کا حق بھی ادا کیا، تبلیغ دین میں نمایاں کارنامے انجام دیئے، ایک بار عیسائی فوج کے ایک دستے کے چنگل میں پھنس گئے، عیسائی انہیں قید کرکے لے گئے اور ان پر دباؤ ڈالا کہ اپنا دین تبدیل کردیں اور عیسائی ہوجائیں، انہوں صاف انکار کردیا، اس انکار پر انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں، ڈیڑھ برس تک قید وبند کی مصیبتیں برداشت کرتے رہے، اس کے بعد اللہ کے فضل سے وہاں سے بچ نکلے، ابوبکرؒ اپنے آخر وقت میں بڑے مالدار ہوگئے تھے، لوگوں نے ان سے مالداری کا سبب پوچھا تو اپنی یہ آپ بیتی سنائی، فرمایا:

’’ایک دن میں نے راستے میں ریشم کی ایک تھیلی پڑی پائی، میں وہ تھیلی اٹھا کر اپنے گھر لے آیا، کھول کر دیکھا تو اس میں سچے موتیوں کا ہار نکلا، یہ ہار نہایت قیمتی تھا، ہار دیکھ کر میں نے دل میں عہد کیا کہ اسے اس کے مالک تک ضرور پہونچاؤں گا، یہ سوچ کر میں گھر سے نکلا، ایک بوڑھے شخص کو تھیلی تلاش کرتے ہوئے پایا، وہ بہت گھبرایا ہوا تھا، اسے دلاسا دیا اور تھیلی کی شناخت پوچھی، اس نے صحیح شناخت بتادی، میں نے تھیلی اسے دیدی، تھیلی پاکر وہ مجھے پانچ سو دینار سونے کے دینے لگا، میں نے اسے لینے سے انکار کردیا، اس نے بہت اصرار کیا، لیکن میں نے اس سے کہہ دیا کہ یہ تھیلی میرے پاس امانت تھی اور امانت واپس کرنے کے صلے میں میں کچھ لینا نہیں چاہتا، میں اس کا صلہ اپنے خدا سے لوں گا، بوڑھا شخص مجھ سے بہت خوش ہوا اور دعائیں دیتا چلا گیا، کچھ دنوں بعد میں ایک جہاز میں سفر کررہا تھا، جہاز ایک طوفان کی زد میں آکر تباہ ہوگیا، بہت سے مسافر ڈوب گئے، میں ایک تختہ کے سہارے بہتا ہوا بڑی مشکل سے کنارے لگا، ہوش ٹھکانے ہوئے، چلتے چلتے سامنے ایک آبادی نظر آئی، میں وہاں کی مسجد میں داخل ہوا، نماز پڑھی اور قرآن کی تلاوت بلند آواز میں کرنے لگا، وہاں کے لوگوں نے قرآن کی تلاوت سنا تو میرے گرد جمع ہوگئے اور قرآن سیکھنے کیلئے مجھے وہیں روک لیا، میں قرآن اور کتابت لوگوں کو سکھانے لگا، کچھ دنوں کے بعد وہاں کے لوگوں نے میری شادی اسی بزرگ کی لڑکی سے کرادی جس کی تھیلی میں نے پائی تھی اور اس کو واپس کردی تھی، میں وہاں رہتا رہا، پھر میری بیوی کا انتقال ہوگیا اور اس کا تمام ترکہ مجھے ملا، میں نے وہ ہار بیچا تو کئی لاکھ کا بکا، میں نے اس سے تجارت شروع کردی، اللہ نے برکت دی، آج کل جو مال میرے پاس آپ دیکھ رہے ہیں، یہ اسی ہار کی بہار ہے، سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں، جو کبھی کبھی اپنے بندوں کو کسی نہ کسی حد تک اس دنیا میں بھی نوازتا ہے، حالانکہ بدلے کا اصل دن تو آخرت کا دن ہے۔

ماں کے احترام کا ایک عظیم نمونہ: یہ امام ابن سیرین ہیں، جب تاریخ اسلامی کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور اس میں شخصیات کا باب آتا ہے تو امام ابن سیرین کا نام جلی حروف میں نظر آتا ہے، ان کے علم کا چرچا دور دور تک پھیل چکا تھا، لوگ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہونا اور ان سے استفادہ کرنا اپنی شان سمجھتے تھے، بڑے بڑے مشائخ عرب وعجم ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے تھے، لیکن اس درجہ کو پہنچنے کے بعد بھی امام ابن سیرین اپنی ماں کی خدمت خود اپنے ہاتھوں سے کیا کرتے تھے، مورخین نے لکھا ہے کہ امام ابن سیرین جب اپنی ماں کی خدمت میں کھانا حاضر کرتے اور دسترخوان تیار ہوجاتا تو دونوں ماں بیٹا کھانے کے لئے بیٹھ جاتے، مگر کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ امام ابن سیرین نے اپنی ماں سے قبل لقمہ اٹھایا ہو، نیز وہ اپنی ماں کے ساتھ ایک پلیٹ میں کھانا کھانے سے گریز کرتے تھے، جب اس کا سبب پوچھا گیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ آپ دسترخوان پر اپنی ماں کے ساتھ بیٹھتے ہیں، مگر کھانا ماں سے قبل شروع نہیں کرتے اور ایک ساتھ پلیٹ میں کھانے سے گریز بھی کرتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں امام ابن سیرین نے فرمایا: "أخشیٰ أن تقع عینها علی شيء من الطعام فآخذه فاکون عاقاً" ترجمہ: مجھے یہ خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں میری ماں کسی چیز کو کھانا چاہتی ہو مگر اس سے قبل میں اسے اٹھالوں جس کے سبب میرا شمار نافرمان اولاد میں ہوجائے‘‘

اللہ اکبر! یہ ہے ماں کا احترام وادب! یہ ہے ماں سے اپنی شدید الفت ومحبت کی اعلیٰ مثال! یہ ہے ماں کے ساتھ عظیم حسن سلوک کا ایک انوکھا نمونہ! یہ ہے ہمارے اسلاف کے نزدیک ماں کا مقام ومرتبہ کہ دسترخوان پر بیٹے کا ہاتھ ماں کے ہاتھ سے قبل نہیں اٹھتا کہ کہیں ماں کی محبوب غذا اس کے منہ میں پہلے نہ پڑجائے، کیا ہمارے موجودہ مسلم نوجوان بھی اپنے اسلاف کا یہ نمونہ پیش کرسکتے ہیں؟ کیا ہمارا نوجوان طبقہ ماں سے اپنی محبت کا یہ نمونہ دکھلاسکتا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو یقیناً ہم بے ادب وبے نصیب ہیں، ہمیں باادب وبانصیب بننے کے لئے ماں کی قدر وعزت اسی طرح کرنی پڑے گی جس طرح ہمارے اسلاف نے کی ہے اور اس کی ایک اعلیٰ مثال اوپر بیان کی گئی ہے، فرماں بردار بیٹا ہی اس دنیا میں کوئی قابل قدر کام انجام دے سکتا ہے، فرماں بردار بیٹے کا یہ حق ہے کہ والدین کی دعاؤں کی برکت سے وہ جتنا ہوسکے آگے بڑھتا جائے چڑھتا جائے، اس کے برعکس نافرمان اولاد کے لئے ناکامی ونامرادی کے سوا کوئی چیز ہاتھ آنے والی نہیں۔

بچے کے ساتھ وعدہ خلافی میں دھرا نقصان: حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک صحابی کسی بچے کو اپنے پاس بلانا چاہتے تھے اور وہ بچہ ان کے پاس نہیں آرہا تھا اور آنے سے انکار کررہا تھا، ان صحابی نے اس بچے کو ترغیب دینے کے لئے یہ کہہ دیا کہ آؤ بیٹا ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہیں ایک چیز دیں گے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے یہ الفاظ سنے کہ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی سے پوچھا کہ یہ بتاؤ واقعی اس بچے کو چیز دینے کا ارادہ تھا یا ویسے ہی بہلانے کے لئے آپ نے اس سے یہ کہہ دیا تھا؟ ان صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس ایک کھجور تھی اور میرا ارادہ تھا کہ جب وہ آئے گا تو اس کو کھجور دیدوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر واقعی تمہارا کھجور دینے کا ارادہ تھا تب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر تمہارے دل میں اس کو کچھ دینے کا ارادہ نہیں تھا، بلکہ محض اس کو اپنے پاس بلانے کے لئے اس کو یہ کہہ دیا تھا کہ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے تو یہ تمہاری طرف سے وعدہ خلافی ہوگی۔

اور بچے کے ساتھ وعدہ خلافی کرنے میں دوہرا نقصان ہے، ایک نقصان تو وعدہ خلافی کے گناہ کا ہے اور دوسرا نقصان یہ ہے کہ پہلے دن سے ہی بچے کے ذہن میں آپ یہ بات ڈال رہے ہیں کہ وعدہ کرکے مکر جانا کوئی خرابی کی بات نہیں، بچہ کا ذہن ایسا صاف ہوتا ہے جیسے سادہ پتھر، اس پر جو چیز نقش کردی جائے گی ہمیشہ کے لئے وہ چیز نقش ہوجاتی ہے، گویا کہ پہلے دن سے آپ نے وعدہ خلافی کا بیج بچے کے ذہن میں بودیا، اب اگر وہ بچہ آئندہ کبھی بھی وعدہ خلافی کرے گا تو اس وعدہ خلافی کے گناہ میں آپ بھی حصہ دار ہوں گے۔ (واقعات جن سے متاثر ہوا: ۲۷۷)

صحابہ کرامؓ کی بہادری: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال یہ تھا کہ ایک غزوہ میں ایک صحابی اکیلے رہ گئے، سامنے سے تین چار کافر مسلح جنگجو پہلوان قسم کے آگئے، یہ صحابی تنہا تھے، انہوں نے آگے بڑھ کر ان سے مقابلہ کرنا چاہا تو اتنے میں دوسرے صحابہ کرامؓ وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے کہا کہ تم اکیلے ہو اور یہ زیادہ ہیں اور بڑے جنگجو اور پہلوان قسم کے لوگ بھی ہیں، اس لئے اس وقت بہتر یہ ہے کہ طرح دے جاؤ اور مقابلہ نہ کرو اور ہمارے لشکر کے آنے کا انتظار کرلو، ان صحابی نے بے ساختہ جواب دیا کہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم میرے اور جنت کے درمیان حائل ہونے کی کوشش مت کرنا، یہ بڑے بڑے پہلوان تو میرے جنت میں پہنچنے کا راستہ ہیں اور تم مجھے لڑنے سے روک رہے ہو اور میرے اور جنت کے درمیان حائل ہورہے ہو، صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا جس کی وجہ سے ان کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ بزدلی کیا چیز ہے؟ اور کمزوری کیا چیز ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت ختم فرمادی تھی اور ہر وقت آنکھوں سے آخرت کو دیکھ رہے تھے، جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کررہے تھے، اس وجہ سے مرنے سے نہیں ڈرتے تھے، بلکہ اس بات کی خواہش کرتے تھے کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جائیں۔ ایک صحابی ایک میدانِ جنگ میں پہنچے، دیکھا کہ سامنے کفار کا لشکر ہے، جو پورے اسلحے اور طاقت کے ساتھ حملہ آور ہوگا، اس لشکر کو دیکھ کر بے ساختہ زبان سے یہ شعر پڑھا:

غدا نلقی الاحبه محمدا وصحبه

واہ واہ کیا بہترین نظارہ ہے، کل کو ہم اپنے دوستوں سے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ملاقات کریں گے، ایک صحابی کے تیر آکر لگا، سینے سے خون کا فوارا اُبل پڑا، اس وقت بے ساختہ زبان سے یہ کلمہ نکلا: "فزت ورب الکعبة" ’’رب کعبہ کی قسم! آج میں کامیاب ہوگیا‘‘

یہ حضرات ایمان اور یقین والے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھنے والے تھے، دنیا کی محبت جن کو چھوکر بھی نہیں گزری تھی۔ (خطبات، ج:۷)

اصل چیز شریعت وسنت پر استقامت ہے: حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا علم وفضل اور حیرت انگیز حافظہ اس قدر مشہور ہوا کہ ان کی دوسری خوبیاں اس میں گم ہوگئیں، ورنہ انابت وتقویٰ اور سلوک وتصوف میں بھی انہیں ممتاز مقام حاصل تھا، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ سے انہوں نے خود بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں کشمیر سے آرہا تھا، راستہ میں ایک صاحب مل گئے، جو پنجاب کے ایک مشہور پیر کے مرید تھے، ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں، اتفاق سے وہ مقام میرے راستے میں پڑا تھا، اس لئے میں نے بھی ارادہ کرلیا، ہم پیر صاحب کے پاس پہنچے تو وہ بڑے اکرام سے پیش آئے، کچھ باتیں ہوئیں، پھر وہ مریدین کی طرف متوجہ ہوگئے اور ان پر توجہ ڈالنی شروع کی جس سے وہ بے ہوش ہوہوکر لوٹنے اور تڑپنے لگے، میں یہ سب کچھ دیکھتا رہا، پھر میں نے کہا ’’میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہوسکے تو مجھ پر آپ توجہ فرمائیں‘‘۔ انہوں نے توجہ دینی شروع کی اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم مبارک کا مراقبہ کرکے بیٹھ گیا، بے چاروں نے بہت زور لگایا، لیکن مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا، کچھ دیر کے بعد انہوں نے خود فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پڑسکتا۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ بتاتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ واقعہ سنا کر غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا: ’’کچھ نہیں ہے، لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے ایک کرشمہ ہے، ان باتوں کا خدا رسیدگی سے کوئی تعلق نہیں، اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو ان شاء اللہ تین دن میں یہ بات ہوسکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے، لیکن یہ بھی کچھ نہیں ہے، اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت وسنت پر استقامت ہے۔ (اکابر دیوبند کیا تھے، ص:۴۶)

رات کو سونے سے پہلے توبہ کرلیا کرو: ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، بڑے عجیب وغریب بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب فہم وفراست عطا فرمائی تھی، عجیب باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے، ایک دن وہ توبہ پر بیان فرمارہے تھے، ایک آزاد منش نوجوان اس مجلس میں آگیا، وہ اپنے کسی مقصد سے آیا تھا، مگر یہ اللہ والے تو ہر وقت سکھانے اور تربیت کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، چنانچہ اس نوجوان سے فرمانے لگے کہ میاں! لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دین بڑا مشکل ہے، ارے یہ دین کچھ بھی مشکل نہیں، بس رات کو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلیا کرو، بس یہی سارا دین ہے۔

جب وہ نوجوان چلا گیا تو ایک صاحب نے کہا کہ حضرت! یہ تو واقعی بڑی عجیب وغریب چیز ہے، لیکن دل میں ایک سوال رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے بے چینی رہتی ہے۔ فرمانے لگے کہ کیا؟ انہوں نے کہا کہ حضرت! توبہ کی تین شرطیں ہیں: ایک یہ کہ دل میں ندامت ہو، دوسرے یہ کہ فوراً اس گناہ کو چھوڑ دے، تیسرے یہ کہ آئندہ کے لئے یہ عزم کرلے کہ آئندہ یہ گناہ کبھی نہیں کروں گا، ان میں سے پہلی دو باتوں پر تو عمل کرنا آسان ہے کہ گناہ پر ندامت بھی ہوجاتی ہے اور اس گناہ کو اس وقت چھوڑ بھی دیا جاتا ہے لیکن تیسری شرط کہ یہ پختہ عزم کرنا کہ آئندہ یہ گناہ کبھی نہیں کروں گا، ان میں سے پہلی دو باتوں پر تو عمل کرنا آسان ہے کہ گناہ پر ندامت بھی ہوجاتی ہے اور اس گناہ کو اس وقت چھوڑ بھی دیا جاتا ہے لیکن تیسری شرط کہ یہ پختہ عزم کرنا کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا، یہ بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے اور پتہ نہیں چلتا کہ یہ پختہ عزم صحیح ہوا یا نہیں؟ اور جب عزم صحیح نہیں ہوا تو توبہ بھی صحیح نہیں ہوئی اور جب توبہ صحیح نہیں ہوئی تو اس گناہ کے باقی رہنے اور اس کے معاف نہ ہونے کی پریشانی رہتی ہے۔

جواب میں حضرت بابا انجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جاؤ میاں، تم تو عزم کا مطلب بھی نہیں سمجھتے عزم کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے یہ ارادہ کرلو کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا، اب اگر یہ ارادہ کرتے وقت دل میں یہ دھڑکہ اور اندیشہ لگا ہوا ہے کہ پتہ نہیں، میں اس عزم پر ثابت قدم رہ سکوں گا یا نہیں؟ تو اندیشہ اور دھڑکا اس عزم کے منافی نہیں اور اس اندیشے اور خطرے کی وجہ سے توبہ میں کوئی نقص نہیں آتا، بشرطیکہ اپنی طرف سے پختہ ارادہ کرلیا ہو اور دل میں یہ جو خطرہ لگا ہوا ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرلو کہ یا اللہ، میں توبہ تو کررہا ہوں اور آئندہ نہ کرنے کا عزم تو کررہا ہوں، لیکن میں کیا؟ اور میرا عزم کیا؟ میں کمزور ہوں، معلوم نہیں کہ اس عزم پر ثابت قدم رہ سکوں گا یا نہیں؟ یا اللہ آپ ہی مجھے اس عزم پر ثابت قدم فرمادیجئے، آپ ہی مجھے استقامت عطا فرمائیے، جب یہ دعا کرلی تو ان شاء اللہ وہ خطرہ اور اندیشہ زائل ہوجائے گا۔ (واقعات جن سے میں متاثر ہوا، ص:۲۵۲)

Scanned with CamScanner

علم حدیث کے لئے اکابر اسلام کے اسفار

ڈاکٹر محمود احمد غازی

علم حدیث کے لئے سفر کرنے کا طریقہ سب سے پہلے خود صحابہ کرامؓ نے شروع کیا، صحابہ کرامؓ نے کئی مواقع پر طویل سفر اختیار فرمایا، جن کا مقاصد یہ تھا کہ حدیث کے بارے میں جو معلومات کسی اور صحابیؓ کے پاس ہیں، ان کو حاصل کیا جائے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو عبادلہ اربعہ میں سب سے پہلے درجہ پر فائز ہیں، یعنی عبداللہ کے نام کے چار مشہور صحابیوں میں جن کا درجہ سب سے پہلا ہے اور صحابہ کرامؓ میں جو فقہ اور افتاء میں سب سے نمایاں صحابہ میں سے تھے، ان کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کب نازل ہوئی ہے اور کہاں نازل ہوئی ہے، میں ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں اور الحمدللہ ہر سورۃ کے بارے میں مجھے علم ہے، اگر کوئی آیت ایسی ہوتی ہے جس کے بارے میں میں نہ جانتا کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور کب نازل ہوئی یا جس کے بارے میں مجھ سے زیادہ کوئی جاننے والا موجود ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا اور جہاں تک سواریاں اور اونٹنیاں پہنچا سکتی ہیں، میں وہاں پہنچتا اور اس آیت کے بارے میں معلومات حاصل کرتا، یہ متفق علیہ حدیث ہے اور بخاری و مسلم دونوں نے اس کو نقل کیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ ایک مشہور صحابیؓ ہیں، ان کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی شام میں مقیم ہیں، جن کا نام عبداللہ بن اُنیس ہے، ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہے جو جابر بن عبداللہؓ نے نہیں سنی، جابر بن عبداللہؓ نے سفر کے مصارف اور زادِراہ کا انتظام کیا، اونٹ خریدا اور ایک مہینے کا سفر کر کے شام پہنچے، دمشق گئے، عبداللہ بن انیس کے مکان کا پتہ کیا، دروازے پر گئے اور کھٹکھٹایا، ملازم نکلا، اس نے اندر جا کر بتایا کہ کوئی بدو آیا ہے، پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے، گرد آلود ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دور سے سفر کر کے آیا ہے، حضرت عبداللہ بن انیس نے کہا کہ جا کر نام معلوم کرو، انہوں نے کہا 'جابر' عبداللہ بن انیس نے ملازم سے مزید وضاحت کروائی کہ کون جابر؟ باہر سے جواب لایا گیا کہ 'جابر بن عبداللہ' یہ نام سنتے ہی عبداللہ بن انیس تڑپ اٹھے، اندر سے دوڑتے ہوئے نکلے، حضرت جابر کو گلے لگایا، پیشانی پر بوسہ دیا اور پوچھا کہ کیسے تشریف لائے؟ انہوں نے کہا 'بس اتنا معلوم کرنا تھا کہ فلاں حدیث کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ آپ کے پاس ہے، اس کے الفاظ کیا ہیں اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کن الفاظ میں اس حدیث کو سنا تھا؟ انہوں نے دوہرایا کہ ان الفاظ میں سنا تھا، انہوں نے کہا الحمدللہ، صرف اس غرض کے لئے آیا تھا، اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں ہے، اونٹ کی باگ موڑ دی اور واپس مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کو ایک مرتبہ ایک اور حدیث کے حصول کے لئے مصر جانے کا موقع ملا، مصر میں ایک صحابی کے بارے میں انہوں نے سنا کہ ان کے علم میں کوئی حدیث ہے اور ان کے علاوہ کوئی اور صحابیؓ اس وقت ایسے نہیں ہیں جو اس حدیث کا علم رکھتے ہوں، وہ اونٹ پر سوار ہوئے اور مدینہ منورہ سے سفر کر کے مصر پہنچے، وہ صحابیؓ مصر کے گورنر تھے، دوراز ہ کھٹکھٹایا، ملازم نکلا تو بولے کہ گورنر سے کہو کہ باہر آئے، ملازم کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کون شخص ہے، اس لئے کہ اس طرح تو کوئی نہیں کہتا، لوگ تو درخواست لے کر آتے ہیں کہ میں گورنر سے ملنا چاہتا ہوں، کس وقت ملاقات کا موقع مل سکتا ہے وغیرہ، یہ کون شخص ہے جو گورنر سے باہر آنے کو کہہ رہا ہے، اس نے جا کر کہا کہ باہر ایک بدو آیا ہے اور کہتا ہے کہ گورنر سے کہو کہ باہر آئے، وہ بھی اپنے ساتھیوں کے مزاج شناس تھے، سمجھ گئے کہ کوئی صحابیؓ ہوں گے، کہا کہ جا کر نام پوچھ کر آؤ، انہوں نے کہا جابر، انہوں نے کہا کہ ہو نہ ہو یہ جابر بن عبداللہ ہیں، دوڑتے ہوئے باہر آئے، گلے ملے اور پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے پاس ایک حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں کہ "من ستر عورة مسلم فكانما احيا موؤدة" یعنی جس نے کسی مسلمان کی کسی کمزورہ کو چھپایا وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی نے زندہ درگور کی جانے والی بچی کو زندگی بخشی۔ کسی مسلمان کی کسی کمزوری کو چھپانا ایسا ہی کار ثواب ہے جیسا کسی ایسی جان کو بچا لینا جس کو اس کے رشتہ دار زندہ درگور کرنے کے لئے آمادہ ہوں، گورنر صاحب نے تصدیق کی اور دوبارہ حدیث کے الفاظ دہرا دیئے، انہوں نے یہ الفاظ سنے، نعرہ تکبیر بلند کیا، اللہ اکبر کہا اور واپس تشریف لے گئے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کو پتہ چلا کہ یہی حدیث دوسرے الفاظ میں ایک صحابیؓ کے پاس ہے، انہوں نے بھی مدینہ منورہ سے مصر کا سفر اختیار کیا، ان صحابیؓ کے مکان پر دستک دی اور یہ حدیث ان الفاظ میں سنی کہ: "من ستر مومناً في الدنيا ستره الله في يوم القيامة" جو شخص اس دنیا میں کسی مومن کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا، انہوں نے اللہ اکبر کہا، الحمدللہ کہا اور اپنی سواری کی باگ موڑ کر واپس تشریف لے گئے۔

ایک صحابی جن کا نام عبید اللہ بن عدویؓ ہے، ان کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ بنی عبد مناف سے تھا، ان کو پتہ چلا کہ حضرت علیؓ کے پاس کوئی حدیث ہے، جو ان تک نہیں پہنچی، یہ مدینہ منورہ سے چلے، کوفہ پہنچے، حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے حدیث سنی، سیکھی، یاد کی، نوٹ کر لی اور واپس چلے گئے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ نے دو سفر کئے، ایک شام کا اور ایک مصر کا، دونوں سفروں میں صرف دو احادیث سن کر واپس آ گئے، حضرت ابوایوب انصاریؓ نے بھی ایک سفر مصر کے لئے اختیار کیا، حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ جو مصر میں تھے، ان سے علم حدیث کے بارے میں کوئی روایت معلوم کی اور واپس آ گئے، صحابہ کرامؓ کے اور بھی واقعات ہیں جن میں انہوں نے کسی حدیث کی تحقیق کے لئے سفر اختیار کئے، ان چند واقعات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے ایک ایک روایت کی تحقیق کی خاطر کتنے سفر اختیار کئے۔

علم حدیث کے لئے تابعین کے اسفار

جب تابعین کا زمانہ آیا تو یہ روایت اور بھی زیادہ عام ہو گئی، اتنی عام ہو گئی کہ ایک لفظ اور ایک بات سیکھنے کے لئے تابعین طویل سفر اختیار فرمایا کرتے تھے، امام شعبی جن کی وفات ۱۰۴ھ میں ہوئی اور وہ امام ابوحنیفہ کے اساتذہ میں سے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص شام کے انتہائی شمالی علاقے سے سفر کرے اور یمن کے انتہائی جنوبی علاقے تک جائے اور کسی حدیث کا ایک لفظ یاد کر کے واپس آ جائے فحفظ كلمة کوئی ایک کلمہ سن کر آ جائے تنفع في مايستقبله جو مستقبل میں اس کے لئے مفید اور کارآمد ہو تو میرا یہ خیال ہے کہ اس کا یہ سفر ضائع نہیں ہوا، یہ سفر کامیاب اور کامران و مفید ہے۔

حضرت علقمہ اور اسود دو مشہور اور بڑے تابعین میں سے ہیں اور ان کا درجہ تفقہ میں اور شریعت کے فہم اور بصیرت میں بہت اونچا مانا جاتا ہے، یہاں تک کہ امام ابوحنیفہؒ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ اگر شرف صحابیت اور احترام صحابیت مانع نہ ہوتا تو میں یہ کہتا کہ علقمہ کا تفقہ عبداللہ بن عمرؓ سے بڑھ کر ہے، حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں کوفہ میں تھے، وہ اور اسود نخعی دونوں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے اور بقیہ لوگوں سے بھی احادیث اور روایات سیکھتے رہتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے حوالے سے لوگوں سے بعض روایات سنیں، حضرت عمر فاروقؓ مدینہ منورہ میں حیات سے تھے، ان دونوں حضرات نے ایک دو مرتبہ نہیں، بارہا کوفہ سے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور وہ روایات براہ راست حضرت عمر فاروقؓ کی زبان سے سنیں جو وہ پہلے تابعین کے ذریعے بالواسطہ سنتے تھے، اس میں علو اسناد بھی ہے اور روایت کا مزید تحقق اور تثبت بھی ہے۔

ایک مشہور تابعی ہیں، ابوالعالیہ، وہ کہتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں روایات سنتے رہتے تھے، ان سے وہ روایات جو تابعین روایت کرتے تھے، وہ بصرہ ہم تک پہنچتی تھیں، فما نرضىٰ حتى نركب الى المدينة ہم اس پر راضی نہ ہوتے تھے جب تک کہ مدینہ جا کر براہ راست ان صحابہ کرامؓ کی زبان مبارک سے نہ سنیں 'فنسمع من افواههم' ان کی زبان مبارک سے براہ راست سننے کے لئے ہم مدینہ کا سفر اختیار کرتے تھے، اس وقت اگر سڑک کے راستہ بصرہ سے مدینہ منورہ آئیں اور یاد رہے کہ سعودی عرب کی سڑکوں پر سوڈیڑھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنا معمول کی بات ہے، آج بھی بصرہ سے مدینہ منورہ تک پہنچنے میں کم از کم تیس بتیس گھنٹے لگیں گے، اس زمانے میں یہ کم و بیش ایک ڈیڑھ مہینے کا سفر ہوا کرتا تھا۔

حضرت ابوعثمان النہدی ایک تابعی ہیں، ان کو پتہ چلا کہ حضرت ابوہریرہؓ کے پاس ایک ایسی روایت ہے کہ جو براہ راست ان ہی سے مل سکتی ہے، کسی اور صحابیؓ کے پاس وہ روایت نہیں ہے یا کم از کم ان صحابہ کے پاس نہیں ہے، جن تک ان کی رسائی تھی، انہوں نے مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا، مدینہ منورہ پہنچتے پہنچتے حج کا زمانہ آ گیا، معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہؓ حج کے لئے تشریف لے گئے، یہ بھی حج کے لئے چلے گئے، حج سے فارغ ہو کر حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ ہمارا ارادہ تو حج کرنے کا نہیں تھا، لیکن یہ سنا تھا کہ آپ کے پاس ایک روایت ہے جو کسی ذریعہ سے مجھ تک پہنچی ہے، میں اس کے بارے میں براہ راست آپ سے تحقیق کرنا چاہتا ہوں، حضرت ابوہریرہؓ نے پوچھا: وہ کیا روایت ہے؟ انہوں نے کہا کہ روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ان الله ليكتب لعبده المومن بالحسنة الواحدة الف الف حسنة" اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے مومن بندے کے لئے ایک نیکی کے بدلے میں دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتے ہیں، حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ سننے والے سے غلطی ہوئی، صحیح الفاظ یہ نہیں ہیں، اب ان کو بڑی مایوسی ہوئی کہ میرے پاس ایک بہت حوصلہ افزا اور ایمان افروز حدیث تھی، جس کی تصدیق حضرت ابوہریرہؓ نے نہیں کی، فوراً ان کے دل میں مایوسی کی ایک کیفیت طاری ہو گئی، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، اصل الفاظ یہ ہیں: "ان الله ليعطى لعبده المومن بالحسنة الواحدة الفى الف حسنة" اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو ایک نیکی کے مقابلہ میں بیس لاکھ نیکیاں دیتے ہیں، اب انہوں نے حیرت سے دیکھا کہ ایک نیکی کے مقابلہ میں بیس لاکھ نیکیاں کیسے ہو سکتی ہیں؟ اس پر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ جو لوگ اللہ کو قرض دیں گے "قرضا حسنا فيضعفه له اضعافا كثيرة" تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے اس کو بہت گنا بڑھا دیں گے تو انہوں نے کہا کہ ہمارے تمہارے لئے دس بیس لاکھ تھوڑی رقم ہے، اللہ کے لئے تو اضعافا کثیرۃ ہے، بہت گنا تو اللہ تعالیٰ کے لئے دس لاکھ بیس لاکھ کوئی بڑی بات نہیں ہے، وہ اس اضافہ اور ترمیم کے ساتھ خوشی خوشی واپس آئے اور یہ حدیث انہوں نے ایک واسطہ کم کر کے براہ راست صحابی رسولؐ سے سن لی۔

ایک تابعی تھے ابن الدیلمی، فلسطین میں رہتے تھے، ان کو پتہ چلا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ جو صحیفہ صادق کے مصنف ہیں، مدینہ منورہ آئے ہوئے ہیں اور ان کے پاس ایک ایسی روایت ہے جس سے شراب خور کے بارے میں کوئی وعید ثابت ہوتی ہے، وہ فلسطین سے سفر کر کے مدینہ منورہ پہنچے، مدینہ میں لوگوں نے بتایا کہ وہ تو مکہ مکرمہ چلے گئے ہیں، وہ سفر کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے، وہاں پہنچے تو کسی نے بتایا کہ حضرت عبداللہ طائف میں اپنے باغ کی دیکھ بھال کے لئے گئے ہیں اور وہیں مقیم ہیں، چنانچہ یہ طائف پہنچے اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث شراب خور کی وعید کے بارے میں سنی ہے؟ آپ نے فرمایا: "سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "من شرب الخمر" جس نے شراب پی، "لم تقبل له صلوة اربعين صباحاً" تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہو گی۔

ایک اور صاحب امام اوزاعیؒ کے پاس علم حدیث سیکھنے کے لئے تشریف لائے، چار پانچ دن امام اوزاعیؒ کے پاس رہے، صبح سویرے امام کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور رات تک ان کی خدمت میں رہتے تھے، امام اوزاعیؒ ایک دن میں ایک ہی حدیث سنانے پر اکتفا کرتے تھے، چار پانچ دن کے بعد انہوں نے قدرے ناگواری سے عرض کیا کہ میں چار دن سے آپ کے ساتھ ہوں اور آپ نے چار دنوں میں مجھے چار ہی حدیثیں سنائی ہیں، امام اوزاعیؒ غالباً یہی بات ان سے کہلوانا چاہتے تھے، انہوں نے حضرت جابرؓ کا وہ قصہ سنایا، جس میں انہوں نے ایک اونٹ خریدا اور پہلے دمشق جا کر ایک روایت کی تصدیق کی، پھر ایک دوسرے موقع پر سفر کر کے مصر گئے اور وہاں ایک دوسری روایت Verrify کرائی، انہوں نے کہا کہ صحابہ کرامؓ ایک ایک روایت کے حصول کے لئے نہیں، کیوں کہ روایت تو ان کو پہلے سے حاصل ہوتی تھی، محض صحابیؓ سے براہ راست سننے کے لئے ایک ایک اور دو دو مہینے کا سفر اختیار کرتے تھے، تم چار دن میں چار احادیث کے ملنے پر ناخوش ہو، غالباً اس کام کی اہمیت ان کو جتانا مقصود تھا، اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا اور ان کو یاد دلایا۔

ان روایات کے الفاظ کے تحقق اور تیقن کے لئے انہوں نے دور دراز شہروں کا سفر اختیار کیا، اس میں کتنا وقت لگا ہو گا، کتنے پیسے لگے ہوں گے، کتنے وسائل خرچ ہوئے ہوں گے، اس کا ہم صرف اندازہ ہی کر سکتے ہیں، یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

افسوس کہ کسی محدث نے اپنا حساب کتاب لکھ کے نہیں چھوڑا اور نہ ہمیں شاید یہ بھی پتہ نہ چلتا کہ راستے میں کتنا خرچ ہوا، کتنی منزلیں آئیں اور کہاں کہاں ٹھہرے؟ وہ اس کام کو صرف اللہ کے لئے کرنا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے شاید اپنا حساب نہیں لکھا۔

Scanned with CamScanner

خود بدلئے - حالات بدل جائیں گے

جناب سلمان غازی

آج کل امت جن حالات سے گزر رہی ہے اس پر مستقل تبصرے آتے رہتے ہیں جو منفی بھی ہوتے ہیں اور مثبت بھی۔ لیڈروں کے بیانات کو تو قابل اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ وہاں اخلاص کا فقدان ہے لیکن اگر ہم ان حالات کا معروضی مطالعہ کر کے قرآن اور حدیث کی روشنی میں تجزیہ کریں تو امکان ہے کہ اگر کوئی فوری حل نہ بھی نکلے تو کم از کم وہ خطوط واضح ہو جائیں گے جن پر ہم کام کر سکتے ہیں۔ بعض لوگ جن میں اکثر اہل علم ہیں بغیر سوچے سمجھے ان حالات کو عذاب الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن کیا واقعی یہ عذاب ہے اور کیا ہم ایک معذب قوم بن چکے ہیں؟

عذاب کے سلسلے میں چند باتیں ذہن میں آتی ہے۔ اکثر لوگ برائیوں کے پیش نظر سرزنش، سزا اور عذاب میں فرق نہیں کرتے۔ گو تینوں منفی عمل ہیں لیکن سرزنش میں محبت بھی شامل ہوتی ہے جیسے اساتذہ یا والدین غلطی پر بچوں کو سرزنش کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف سزا میں انصاف کا تقاضہ پورا کرنا ہوتا ہے اس میں نہ نفرت ہوتی ہے اور نہ ہی محبت، جبکہ عذاب میں صرف اور صرف قہر اور نفرت ہوتی ہے۔ اب یہ دونوں صفات انتہائی منفی ہیں اس لئے اسلام کے مزاج کے مطابق نہیں ہیں اور اسلام بھی ان کو بحالت مجبوری روا رکھتا ہے، جو اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حق تعالیٰ برے حالات میں بھی عذاب بھیجنے کو پسند نہیں فرماتے جب تک کہ کوئی قوم انتہا کو نہ پہنچ جائے اور اس پر اتمام حجت نہ ہو جائے۔ جیسا کہ ہم حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے معاملے میں دیکھتے ہیں کہ چونکہ حضرت یونس علیہ السلام کی طرف سے اتمام حجت نہیں ہوا تھا اس لئے قوم کے معافی مانگنے پر قوم کو بخش دیا گیا جبکہ حضرت یونس علیہ السلام کے قوم کو چھوڑنے کے عمل سے حق تعالیٰ نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ پھر عذاب کے ساتھ بہت سی شرائط بھی ہیں جن کا پورا ہونا ضروری ہوتا ہے:

اول یہ کہ عذاب صرف اس قوم پر آتا ہے جس میں خیر کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو گئی ہو اور اس کے بعد کوئی امکان ہی خیر کا موجود نہ رہے۔ یہ بات صرف حق تعالیٰ جل شانہ کے علم میں ہوتی ہے حتیٰ کہ انبیاء تک کو اس کا علم نہیں ہوتا کہ قوم کا خیر قبول کرنے کا امکان ختم ہو چکا ہے جو حضرت یونس علیہ السلام کے واقعے سے ثابت ہوتا ہے۔

دوم یہ کہ ایسے حالات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انبیاء پر سے بھی ساقط ہو جاتا ہے تو ہما شما کس شمار و قطار میں ہیں۔ اس لئے یہ کام بھی بند کر دیا جاتا ہے۔

سوم یہ کہ پھر ایسی قوم کے ملک میں رہنا ایمان والے کے لئے جائز نہیں بلکہ انبیاء کی سنت یہ ہے کہ معذب قوم کو ان کے حال پر چھوڑ کر ایمان والوں کے ساتھ خود اس علاقے کو چھوڑ دیا جائے۔

چہارم یہ کہ جس قوم پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے پھر قیامت تک اس کے پنپنے کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ ان حالات کو عذاب سمجھنے والے حضرات کا اس سلسلے میں کیا موقف ہے اور آیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں میں اب خیر کو قبول کرنے کا امکان ہی ختم ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں انہیں انبیاء کی سنت پر عمل کرتے ہوئے نہی عن المنکر بند کر کے اس علاقے ہی کو چھوڑ دینا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے ایسے میں ان حالات کو سرزنش یا زیادہ سے زیادہ سزا تو کہا جا سکتا ہے عذاب نہیں۔ پھر جس کا وعدہ بھی خود حق تعالیٰ نے اپنے محبوب سے فرمایا تھا وہ کیسے غلط ہو سکتا ہے۔ جہاں تک حالات کے خراب ہونے کا تعلق ہے تو ان سے بدتر حالات سے امت مرحومہ گزر چکی ہے۔ روس میں اشتراکیت کے انقلاب میں تو شعائر اسلام تک پر پابندی لگ گئی تھی۔ سینٹ پیٹسبرگ کی مسجد گودام میں تبدیل کر دی گئی تھی، میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو 1990ء کی دہائی میں روس کے ٹوٹنے کے بعد وہاں گئے اور ایک ایسے بوڑھے سے ملے جس کی عمر انقلاب کے وقت دس سال تھی اور اس کے باپ نے گاؤں کے قریب کی ایک پہاڑی پر لے جا کر ایک چٹان کے نیچے چھپایا ہوا قرآن دکھا کر کہا تھا کہ جب حالات سدھر جائیں تو اس کتاب کو لے جانا اور اس پر عمل کرنا اور وہ شخص ستر سال بعد کلام اللہ کو نکال کر لایا اور انہی صاحب سے پڑھ رہا تھا۔ وہ ایک ایسے شخص سے بھی ملے جس کے دونوں بازو کاندھے سے قطع کر دیے گئے تھے صرف اس جرم میں کہ وہ خفیہ بچوں کی ختنہ کا مرتکب ہو گیا تھا۔

چنگیز خان نے جس طرح بغداد کو تباہ کیا اور مسلمانوں کو ظلم کا نشانہ بنایا ان کے کتب خانوں کی اس طرح دریا برد کیا کہ دجلہ کا پانی عرصے تک سیاہ رہا، اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ یا پھر اسپین میں جب مسلمانوں کی تصنیفات اور تالیفات کو آگ لگا کر مسلمانوں کو مارسیلز کی بندرگاہ سے دھکیلا گیا تھا اس وقت ان کی تعداد ایک کروڑ تھی، تاریخ گواہ ہے کہ صرف تیں لاکھ مسلمان افریقہ کے مغربی ساحلوں تک پہنچ سکے باقی یا تو قتل کر دئے گئے یا مرتد ہو گئے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کو یاد کیجئے جب میرٹھ سے دہلی تک ہر درخت پر ایک مسلمان کی لاش ٹنگی ہوئی تھی۔ یہ حالات آج کے حالات کے مقابلے میں کہیں زیادہ خراب تھے تو کیا اُس وقت اس قوم پر عذاب آیا تھا؟ اگر وہ عذاب ہوتا تو یہ قوم پھر پنپ ہی نہیں سکتی تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہر جگہ اسلام کا احیاء نظر آتا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ صرف امتحان یا سرزنش تھی یا زیادہ سے زیادہ اسے سزا کہا جا سکتا ہے۔ یہ عذاب نہیں تھا یا پھر یہ صرف قوموں کے تاریخی عروج و زوال کا چکر تھا جو اس دنیا کی تاریخ میں عام بات ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے حالات کیوں ہیں اور ہم انہیں کیسے بدل سکتے ہیں۔ عموماً ہمارے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ جمہوریت میں ہمارے ووٹ کی بڑی قیمت ہوتی ہے اور صحیح ووٹ دے کر ہم اپنے حاکموں کو بدل سکتے ہیں۔ اگر یہ بات سچ ہوتی تو کہیں تو حالات بدلتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حالات دن بدن بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ کبھی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہم ایک اچھے لیڈر کو چنتے ہیں لیکن حکومت چننے کے بعد آپ کو تو یہ اختیار نہیں کہ اپنا ووٹ بدل دیں لیکن منتخب نمائندے کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ پارٹی بدل کر آپ ہی کے خلاف ہو جائے۔ دراصل یہ خیال ہی غلط ہے کہ حکام کو ہم چنتے ہیں اور ہماری وجہ سے وہ طاقت حاصل کرتے ہیں یا ہم پر حکومت کرتے ہیں۔ یہ خیال خود کلام اللہ کے خلاف ہے۔ فرمایا گیا: ’’اے اللہ بادشاہت کے مالک آپ ہی ہیں۔ آپ جسے چاہیں حکومت دیں اور جس سے چاہیں چھین لیں‘‘۔ (سورہ آل عمران 26) یعنی ہم کسی کو چنتے نیں بلکہ بادشاہت دینا صرف اور صرف اللہ کا حق ہے اور حق تعالیٰ جل شانہ جسے چاہتے ہیں ہمارا حاکم بنا دیتے ہیں۔ وہ جسے چاہیں حکومت دے سکتے ہیں اور جس سے چاہیں حکومت چھین سکتے ہیں۔ یہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمارے رب ہیں اور ہم سے ایک ماں کے مقابلے میں ساٹھ گنا زیادہ محبت کرتے ہیں وہ کیوں ہم پر ایسے حاکم بٹھا دیتے ہیں جو ہمارے حق میں بہت بُرے ہیں یا پھر یہ کہ اگر حکام برے ہیں تو انہیں کیسے بدلا جائے۔ دراصل یہ خرابی ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا گیا: ’’خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی (اعمال) کے سبب خرابی پھیل رہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا مزہ انہیں چکھا دے تا کہ وہ باز آ جائیں۔‘‘ (سورہ روم: 41) ایک اور جگہ ارشاد ہے: ’’اور تم کو جو کچھ بھی مصیبت پہنچتی ہے تمہارے ہی کاموں کے سبب ہے اور بہت سے گناہوں سے تو اللہ تعالیٰ درگزر فرماتے ہیں۔ علامہ طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں لوگوں سے سنتا تھا کہ تمہارے اعمال ہی تمہارے بادشاہ ہیں یعنی جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے بادشاہ ہوں گے۔ پھر مجھے قرآن مجید میں یہ مضمون ملا: ’’اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں، اس کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے۔ کیا اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اگر حکام برے ہیں تو انہیں بدلنے کی کوشش حماقت ہوگی۔ حکام کو بدلنے کا تو ہمیں اختیار ہی نہیں دیا گیا۔ کلام اللہ میں حکام بدلنے کا صحیح طریقہ یہ بتایا گیا کہ تم اپنے اعمال بدل لو حق تعالیٰ تمہارے حکام کو بدل دیں گے۔ یہ وہ کام ہے جو ہم کبھی نہیں کرتے بلکہ حکام کے خلاف مہم چلا کر یا انتخابات میں تقریریں کر کے یا اپنی تحریروں کے ذریعہ اپنے حکام کو بدلنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس دن ہم قرآن پر عمل شروع کر لیں گے حق تعالیٰ جل شانہ ہمارے حکام اور حالات بدل دیں گے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس وقت پوری دنیا متحد ہے اور اسلام کو مٹانے کی پوری کوشش بھی کر رہی ہے اس کے باوجود اسلام اور مسلمان باقی ہیں اور اسلام پر عمل پیرا بھی:

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

سیرت اور تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان سے کہیں زیادہ بدتر حالات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھے۔ لیکن پھر نہ صرف یہ کہ وہ بدترین حالات بدل گئے بلکہ مدنی دور میں پوری حکومت ہی مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی اور ایک طرح سے وہ سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔ یہاں صرف اعمال ہی اچھے نہیں تھے بلکہ اس کے ساتھ ہی اسلام کی دعوت کا مہتم بالشان کام بھی کیا جا رہا تھا جو ہم پر فرض کیا گیا ہے جس سے ہم نے ایک طویل عرصے تک کوتاہی برتی۔ الحمدللہ اب قوم میں یہ شعور جاگا ہے اور پوری دنیا میں اس سلسلے میں مثبت کوششیں ہو رہی ہیں۔ خصوصاً مغرب میں مشرق کے، خصوصاً برصغیر سے گئے مسلمان نوجوان اور مغرب کے نومسلموں نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا ہے جس کے نتیجے میں اسلام اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب بن چکا ہے۔ دیگر مذاہب میں مشرکین کے پاس تو کوئی مذہب ہی نہیں بلکہ وہ چند فرسودہ روایات کو مذہب سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہیں۔ یہودی مذہب میں تبلیغ ہی نہیں صرف عیسائی ہیں جو تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں لیکن پاپائیت کے سبب عموماً عام عیسائی اب مذہب سے اتنا بیزار ہیں کہ اسے پادری کی ضرورت صرف شادی یا کسی کی موت پر رسومات کی ادائیگی کے لئے محسوس ہوتی ہے ورنہ زیادہ تر عیسائی اب ملحد ہو چکے ہیں۔ عرصہ ہوا میں لندن میں ایک علاقے کی مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے گیا۔ یہ مسجد اتنی بڑی تھی کہ اس میں بیک وقت تین ہزار نمازی نماز پڑھ سکتے تھے۔ لیکن وہاں یہ عالم تھا کہ آخری صفوں کے نمازی اگلی صفوں میں نمازیوں کی پشت پر سجدہ کرنے پر مجبور تھے۔ ہمارے میزبان نے نماز کے بعد بتایا کہ مسجد سے متصل یہودیوں کی عبادت گاہ تھی جس میں کئی سال سے عبادت بند تھی کیونکہ ان کے ہاں اجتماعی عبادت کے لئے کم از کم بارہ لوگوں کا ہونا ضروری تھا اور وہاں بارہ یہودی برسوں سے عبادت کے لئے نہیں آ پاتے تھے اس لئے وہ عبادت گاہ بند تھی۔

حق تو ہے کہ ان حالات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہے اور بلا وجہ لعنت اور عذاب کا طوق اپنی گردن میں ڈالنے کے بجائے قرآنی احکامات پر عمل بھی کرنا چاہیے اور اپنے اعمال بھی درست کر لینے چاہئیں۔ قوموں کی زندگی میں سو پچاس سال کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اپنی کوششوں کے نتائج دیکھنے میں عجلت نہ کریں، نیکی جلد یا بدیر پھلتی ضرور ہے جسے ممکن ہے ہماری آنی والی نسلیں دیکھیں۔

وکاس ہومیو ہال

ہمارے یہاں WSI، Baksan، SBL، Germany، Bt
ڈائلوسن، مدر ٹینچر اور بایوکومک کے علاوہ دیگر کمپنی کی بھی دوا موجود ہے۔

دوا ملنے کا پتہ:-

(ناگمنی مہیلا پرشکچھن کیندر کے نیچے) چنوٹی کنواں، پھلواری شریف، پٹنہ

رابطہ نمبر- 9386597291

विकास होमियो हॉल

हमारे यहाँ Bt, Germany, SBL, Baksan, WSI डायलुसन, मदर टींचर, बायोकोमिक एवं अन्य कम्पनी की भी दवा उपलब्ध है।

दवा मिलने का पता:-

(नागमणी महिला प्रशिक्षण केन्द्र के निचे) चुनौटी कुआँ, फुलवारी शरीफ
Mob.: 9386597291

Scanned with CamScanner

اخبار جہاں

محمد عادل فریدی

سویڈن میں قرآن جلائے جانے سے ناراض 57 اسلامی ممالک نے کی ایمرجنسی میٹنگ

سویڈن میں عیدالاضحیٰ کے دن ایک شخص نے قرآن پاک کی کاپی جلائی تھی جس پر پوری دنیا میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ مسجد کے باہر قرآن جلائے جانے کے واقعہ کے بعد سے ہی سبھی اسلامی ممالک سمیت یورپ سے امریکہ تک نے اپنی ناراضگی ظاہر کی ہے۔ اس سلسلے میں 57 اسلامی ممالک کی تنظیم 'آرگنائزیشن آف اسلامک کوآپریشن' (او آئی سی) نے ایک ایمرجنسی میٹنگ کی اور بین الاقوامی طبقہ کو سخت پیغام جاری کیا۔ او آئی سی کی یہ میٹنگ 2 جولائی کو ہوئی۔ ایگزیکیٹو کمیٹی کی یہ میٹنگ او آئی سی جنرل سکریٹری ایچ ای حسین براہیم طاحہ نے طلب کی تھی۔ میٹنگ سعودی عرب کے جدہ میں کی گئی جس میں تنظیم کے جنرل سکریٹری کی طرف سے کہا گیا کہ عیدالاضحیٰ کے پہلے دن جب تمام مسلمان عید منا رہے تھے ایسے وقت قرآن نذرِ آتش کیے جانے کا واقعہ بہت ہی افسوسناک ہے۔ سویڈن کی راجدھانی اسٹاک ہوم میں سنٹرل مسجد کے باہر پیش آئے اس واقعہ کو او آئی سی جنرل سکریٹری نے انتہائی نفرت آمیز قرار دیا۔ میٹنگ میں او آئی سی جنرل سکریٹری نے کہا کہ قرآن کی کاپی جلانا اور پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک عزتی کرنا 'اسلاموفوبیا' کا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں مکمل بین الاقوامی طبقہ کو انٹرنیشنل لاء کی بار بار یاد دلانی چاہیے تاکہ مذہبی نفرت کے ماحول کو روکا جا سکے۔ او آئی سی کا یہ بیان بہت اہم تصور کیا جا رہا ہے کیونکہ اس تنظیم میں 157 اسلامی ممالک شامل ہیں۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا بااثر اسلامی تنظیم بھی تصور کیا جاتا ہے۔ اس میں سعودی عرب، ایران، ترکی، افغانستان، شام، عراق، عمان، پاکستان اور کویت جیسے ممالک شامل ہیں۔ (ایجنسی)

نیدرلینڈز کے تعلیمی اداروں میں موبائل فونز لے جانے پر پابندی عائد

نیدرلینڈز کے تعلیمی اداروں کے کلاس رومز میں موبائل فونز، ٹیبلیٹس اور اسمارٹ واچز کو لے جانے پر پابندی عائد کی جا رہی ہے۔ ڈچ حکومت کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ یکم جنوری 2024 سے اس پابندی کا اطلاق ہوگا اور اس کا مقصد تدریسی سرگرمیوں کے دوران طالبعلموں کی توجہ بھٹکنے سے بچانا ہے۔ بیان میں کہا گیا کہ کلاس روم میں موبائل فون یا دیگر ڈیوائسز لے جانے کی اجازت اس وقت ہوگی جب ان کی ضرورت ہوگی جیسے ڈیجیٹل اسکلز کے اسباق کے دوران یا طبی وجوہات وغیرہ۔ ڈچ وزیر تعلیم رابرٹ نے بتایا کہ اگرچہ اسمارٹ فونز اب ہماری زندگیوں کا حصہ بن چکے ہیں، مگر وہ کلاس رومز سے تعلق نہیں رکھتے۔ انہوں نے کہا کہ طالبعلموں کو اپنی توجہ تعلیم کے حصول پر مرکوز کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ سائنسی رپورٹس سے ثابت ہوا ہے کہ موبائل فون تعلیم سے توجہ ہٹاتے ہیں۔ یہ پابندی وزارت تعلیم اسکولوں اور متعلقہ اداروں کے درمیان ہونے والے ایک معاہدے کے تحت لگائی جا رہی ہے۔

او آئی سی کے 'علما وفد' کی طالبان سے ملاقات؛ خواتین پر پابندیاں ختم کرنے پر زور

افغانستان میں اقوام متحدہ کے مشن کے سربراہ کا کہنا ہے کہ پاکستان، سعودی عرب، قطر اور انڈونیشیا کے مذہبی اسکالرز طالبان حکومت کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام خواتین کے اسکول جانے یا ملازمت کرنے پر پابندی نہیں لگاتا۔ عالمی خبر رساں ادارے کے مطابق افغانستان میں اقوام متحدہ کے امدادی مشن (یو این اے ایم اے) کے قائم مقام سربراہ مارکس پوزٹیل نے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا کہ او آئی سی نے طالبان حکومت سے خواتین کی تعلیم اور ملازمتوں پر پابندی پر نظرثانی کرانے کے لیے ایک وفد بھیجا تھا۔ مارکس پوزٹیل نے مزید بتایا کہ یہ وفد سعودی عرب، پاکستان، قطر اور انڈونیشیا کے علمائے اکرام پر مشتمل تھا جن میں ایک خاتون عالمہ بھی شامل تھیں۔ اقوام متحدہ کے مشن کے سربراہ کے مطابق وفد نے طالبان پر خواتین کو تعلیم اور ملازمتوں کے دروازے کھولنے پر قائل کرنے کی کوشش کی۔ (نیوز ایکسپریس پی کے)

تعلیم و روزگار

بارہویں کے بعد ایئرفورس میں جانے کا موقع، جانیں کیا ہے طریقہ

ہمارے ملک میں نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد فوج میں شمولیت کا خواب دیکھتی ہے۔ لیکن بہت سے طالب علم نہیں جانتے کہ فوج میں کیسے بھرتی ہوتی ہے۔ آیئے یہاں پر ہم جانتے ہیں کہ 12ویں پاس کرنے کے بعد ایئرفورس میں نوکری کیسے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے کتنی عمر ہونی چاہیے اور انتخاب کیسے کیا جاتا ہے۔

طلبہ 12ویں کے بعد براہ راست ایئرفورس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس کے لیے انہیں NDA یعنی نیشنل ڈیفنس اکیڈمی امتحان میں شرکت کرنا ہوگی۔ یہ امتحان ہر سال یو پی ایس سی کے ذریعے منعقد کیا جاتا ہے۔

فضائیہ (ایئرفورس) کے لیے NDA کے امتحان میں شامل ہونے کی اہلیت: فزکس، کیمسٹری، ریاضی کے ساتھ 12ویں جماعت پاس کرنے والے طلبہ اس امتحان میں شرکت کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے طالب علم کی عمر ساڑھے 16 سال سے ساڑھے 19 سال کے درمیان ہونی چاہیے، این ڈی اے کے امتحان کے لیے فارم ہر سال نکلتے ہیں۔ مقررہ اہلیت رکھنے والے طلبہ نوٹیفکیشن کے اجراء کے بعد UPSC کی ویب سائٹ پر جا کر درخواست دے سکتے ہیں۔

ہندوستانی فضائیہ (Indian Air Force) کے انتخاب کا عمل: امیدواروں کا انتخاب NDA UPSC امتحان کے تحت تحریری امتحان اور SSB انٹرویو کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ تحریری امتحان پاس کرنے والوں کو SSB انٹرویو کے لیے بلایا جاتا ہے۔ تحریری امتحان میں 2 پیپرز ہوتے ہیں ریاضی اور جنرل ایبلٹی ٹیسٹ۔ 300 سوالات ریاضی کے سیکشن سے اور 600 سوالات جنرل ایبلٹی ٹیسٹ سے پوچھے جاتے ہیں، جنرل ایبلٹی ٹیسٹ میں فزکس، کیمسٹری، جنرل سائنس، ہسٹری، جیوگرافی اور کرنٹ ایونٹس سے سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ ایس ایس بی انٹرویو کا عمل 5 دنوں کے لیے 2 مراحل میں کیا جاتا ہے، اس میں ٹیسٹ کے کئی راؤنڈ ہیں، انٹرویو کا پورا عمل 900 نمبروں کا ہے، ایئرفورس میں شامل ہونے کے لیے امیدوار کو کمپیوٹرائزڈ پائلٹ پروٹیکشن سسٹم کا اہل ہونا بھی ضروری ہے۔

جے این یو میں پی ایچ ڈی داخلے کے لیے درخواست کا عمل شروع

جواہر لعل نہرو یونیورسٹی (JNU) نے جے آر ایف کیٹیگری (جونیئر ریسرچ فیلوشپ) کے تحت پی ایچ ڈی پروگرام کے لیے داخلہ کا عمل شروع کر دیا ہے۔ امیدوار جو JRF کیٹیگری کے تحت پی ایچ ڈی کے لیے داخلہ لینا چاہتے ہیں، وہ JNU کی آفیشیل ویب سائٹ https://www.jnu.ac.in پر جا کر اپلائی کر سکتے ہیں۔ اس سال جے آر ایف کیٹیگری والے امیدوار 5 جولائی سے 4 اگست تک جے این یو میں داخلے کے لیے درخواست دے سکتے ہیں۔ امیدواروں کے پاس اپنی تصاویر اور دستخط کی اسکین شدہ تصاویر ہونی چاہئیں، تصویر jpg / jpeg فارمیٹ میں ہونی چاہیے اور اس کا سائز 10 سے 200kb کے درمیان ہونی چاہیے۔ اسی طرح دستخط کا سائز 4 سے 30Kb کے درمیان ہونا چاہیے۔ امیدواروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ رجسٹر کرنے سے پہلے اس بات کو یقینی بنائیں کہ ان کے پاس یہ دستاویزات موجود ہوں۔ طلبہ کو UGC، CSIR قومی اہلیت ٹیسٹ (NET)، ICMR، AYUSH، DBT امتحانات کے لیے JRF کوالیفائی کرنا ضروری ہے، تب ہی وہ JRF زمرہ کے لیے درخواست دے سکیں گے۔ درخواست جمع کرنے کے بعد امیدواروں کا انتخاب کیا جائے گا اور پھر زبانی امتحان ہوگا۔ ان امیدواروں کو ان کے انٹرویو اسکور کی بنیاد پر کالج میں داخلہ دیا جائے گا۔ مزید معلومات کے لئے آفیشیل ویب سائٹ کا وزٹ کریں۔

دعاء مغفرت

ہفتہ وار نقیب کے معاون مدیر جناب مولانا رضوان احمد ندوی کے عم محترم جناب عبدالعلام خاں صاحب جمالپور دربھنگہ مختصر علالت کے بعد ۵؍جولائی ۲۰۲۳ء کو رب کائنات سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون! انکی عمر ستر سال کے قریب تھی۔ چند سال سے عارضہ قلب کے شکار تھے، دوا وعلاج مستقل جاری تھا مگر جانبر نہ ہو سکے اور رحلت فرما گئے۔ اللہ نے انہیں بڑی خوبیوں سے نوازا تھا طبیعت میں نیکی اور کردار و عمل تقوی و پرہیز گاری تھی دعاء فرمائیں کہ اللہ انکی نیکیوں کو قبول فرمائے اور درجات علیا سے سرفراز فرمائے۔ **(ادارہ نقیب)**

مسلم پرسنل لا بورڈ کے وفد کی کانگریس صدر ملک ارجن کھڑگے سے ملاقات

یونیفارم سول کوڈ پر مسلمانوں کا موقف سامنے رکھ کر کانگریس پارٹی سے واضح موقف اختیار کرنے کی درخواست

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک وفد نے بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا محمد فضل الرحیم مجددی صاحب کی قیادت میں کانگریس پارٹی کے صدر ملک ارجن کھڑگے سے ان کے گھر پر ملاقات کی اور یونیفارم سول کوڈ پر مسلمانوں کے موقف اور اس کے دلائل سے انھیں واقف کراتے ہوئے کانگریس پارٹی سے یونیفارم سول کوڈ کے تعلق سے واضح موقف اختیار کرنے کی درخواست کی۔ وفد میں بورڈ کے سکریٹری اور امیر شریعت بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ مولانا احمد ولی فیصل رحمانی، بورڈ کے ترجمان ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس، لیگل کمیٹی کے اراکین ایڈوکیٹ ایم آر شمشاد، مولانا نیاز احمد فاروقی، رکن بورڈ جناب عارف مسعود (ممبر اسمبلی مدھیہ پردیش) اور جناب حامد ولی فہد رحمانی شریک تھے۔ کانگریس کے رکن راجیہ سبھا جناب عمران پرتاپ گڑھی نے اراکین وفد کا موصوف سے تعارف کروایا۔

ایڈوکیٹ ایم آر شمشاد نے بورڈ کی جانب سے لا کمیشن کو دئے گئے دستاویز کے مندرجات اور اس کے دلائل سے شری کھڑگے کو واقف کرایا۔ ڈاکٹر الیاس نے صدر کانگریس سے کہا کہ سب سے قدیم، حزب اختلاف کی سب بڑی اور ایک سیکولر پارٹی ہونے کے ناطے ملک کی اقلیتوں، قبائلی طبقات اور انصاف پسند ہندوؤں کی نگاہیں اس مسئلہ پر کانگریس کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یونیفارم سول کوڈ کے مسئلہ پر کانگریس کا موقف دوٹوک، دستوری تحفظات، مذہبی اقلیتوں وقبائلی طبقات کے تشخص اور ملک کے تنوع کی حفاظت کے حق میں ہوگا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ہم یونیفارم سول کوڈ کو شریعت اور مذہبی وثقافتی آزادی کے دستوری حق میں راست مداخلت تصور کرتے ہیں۔ کانگریس کا موجودہ موقف کہ ہم اس پر بل کا ڈرافٹ آنے کے بعد ہی اظہار خیال کریں گے، ہمارے نزدیک مسئلہ کو ٹالنے کی کوشش ہے، جب کہ بی جے پی اسے الیکشن کا ایشو بنانے کی پوری تیاری کر چکی ہے۔

محترم مولانا احمد ولی فیصل رحمانی نے دستور ہند کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے یونیفارم سول کوڈ کے مضمرات پر روشنی ڈالی۔ مولانا نیاز احمد فاروقی نے بھی صدر کانگریس سے واضح اور دوٹوک موقف اختیار کرنے پر اصرار کیا۔

مسٹر کھڑگے نے وفد کو یقین دلایا کہ کانگریس پارٹی یونیفارم سول کوڈ پر کوئی موقف اختیار کرتے وقت ان تمام دلائل وتحفظات کو پیش نظر رکھے گی، جس کا اظہار بورڈ کے معزز ذمہ داران واراکین نے کیا ہے۔ آخر میں بورڈ کے جنرل سکریٹری محترم مولانا محمد فضل الرحیم مجددی صاحب نے کانگریس صدر کو صدر بورڈ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا مکتوب پیش کیا، جس میں ملک وملت کے لئے یونیفارم سول کوڈ کے مضمرات اور اندیشوں کا اظہار کیا گیا، نیز یہ واضح طور پر کہا گیا کہ یونیفارم سول کوڈ مذہبی وثقافتی آزادی کے مغائر اور شریعت میں راست مداخلت ہوگی۔ **(جاری کردہ ڈاکٹر محمد وقارالدین لطیفی آفس سکریٹری)**

Scanned with CamScanner

یونیفارم سول کوڈ پر لا کمیشن کو مسلم پرسنل لا بورڈ کا جواب

یونیفارم سول کوڈ کے نام پر اکثریت کے اخلاقی ضوابط کو پرسنل لاز، مذہبی آزادی اور اقلیتوں کے حقوق پر حاوی نہیں ہونا چاہئے، ہندوستانی مسلمان اپنی شریعت اور شناخت سے دست بردار نہیں ہوسکتے

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے لا کمیشن کے نوٹس مورخہ 14.06.23 پر اپنے اعتراضات درج کرائے ہیں، جس نے ملک کی مذہبی تنظیموں اور شہریوں سے نمائندگی کی شکل میں یکساں سول کوڈ کے بارے میں ''خیالات اور نظریات'' کی درخواست کی تھی۔ ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس ترجمان آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے بتایا کہ یونیفارم سول کوڈ پر لاء کمیشن کے بارے میں ہمارا جواب 5 نکات پر مبنی ہے، جس میں، 1۔ابتدائی ایشوز 2۔اکیسویں لاء کمیشن پر ہمارا جواب اور رپورٹ 3۔ یکساں سول کوڈ پر ہمارے اعتراضات کے دلائل 4۔ موجودہ سول قوانین کا جائزہ اور 5۔ جوابات کا خلاصہ شامل ہیں۔

جواب کے پہلے حصے میں بورڈ نے ابتدائی اعتراضات کو تفصیل سے بیان کیا ہے جس میں کہا گیا کہ لا کمیشن کا نوٹس بہت مبہم، عمومی اور غیر واضح ہے۔ متعلقہ حصہ میں کہا گیا ہے کہ کمیشن کے سوال میں تجاویز کی شرائط غائب ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اتنے بڑے ایشو کو پبلک ڈومین میں محض اس لئے ڈالا گیا تاکہ اس پر ریفرنڈم کروایا جاسکے اور کوشش یہ کی گئی کہ عام لوگوں کا ردعمل بھی کمیشن تک مبہم الفاظ میں یعنی ہاں یا نہیں میں ہی پہنچ سکے۔ متعدد وجوہات کی بناء پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ باوجودیکہ یہ مسئلہ خالصتاً قانونی ہے تاہم سیاست اور میڈیا کے پروپیگنڈے کے لئے اس کی حیثیت چارہ کی بھی ہے۔ یہ مسئلہ اس لئے بھی مزید اہم ہوجاتا ہے کہ اس پر سابقہ لا کمیشن نے جائزہ لے کر یہ نتیجہ نکالا تھا کہ یونیفارم سول کوڈ نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی مطلوب۔ ہمیں یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوتی ہے کہ 22 دیں لا کمیشن کو اس پر عوامی رائے لینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ جب کہ اس کے پاس کوئی بلیو پرنٹ بھی نہیں ہے جس سے یہ اندازہ کیا جاسکے کہ کمیشن کا ارادہ کیا ہے۔

مسلمانوں کی مذہبی اساس قرآن مجید، سنت رسول اور فقہ) اسلامی قانون (ہے جس کو ہندوستان کے دستور کی دفعہ 25 اور 26 سے تحفظ حاصل ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرآن وسنت میں بیان کئے گئے احکام پر عمل کریں۔ اسلام کے پیروکار بھی اپنے آپ کو ان احکام کے پابند سمجھتے ہیں اور یہ تمام امور نا قابل تبدیل شرائط ہیں۔ مسلمانوں کے ذاتی واجتماعی تعلقات، ان کے خاندانی معاملات وشخصی قوانین بھی، براہ راست قرآن وسنت) اسلامی قوانین (سے ماخوذ ہیں اور یہ پہلو ان کی بنیادی شناخت سے جڑا ہوا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان اس شناخت سے دست بردار ہونے پر کسی بھی صورت میں راضی نہیں ہوسکتے، نیز اس کی ہمارے ملک کے آئینی دائرے میں پوری گنجائش بھی ہے۔ اگر ہم اقلیتوں اور قبائلی طبقات کو ان کے پرسنل لا اور رواجی قانون کے تحت زندگی گزارنے کا موقع دیتے ہیں تو گویا اپنے ملک کے تنوع کے ساتھ انصاف کرتے ہیں اور اس سے ملک کی سالمیت، تحفظ سلامتی اور بھائی چارے کو بھی برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

جواب کے دوسرے حصے میں، بورڈ نے اس مسئلہ پر 21 ویں لاء کمیشن کو دئے گئے اپنے تفصیلی جواب کو دہرایا اور اس کو بھی اس دستاویز کے ساتھ منسلک کردیا۔

جواب کے تیسرے حصے میں ملک کی تکثیری حیثیت، وسیع الاطراف تنوع اور کثیر ثقافتی حیثیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی، مزید برآں اس حصہ میں سیکولرزم، حقوق نسواں اور مساوات کے اصول، قومی یکجہتی اور سپریم کورٹ کے مشاہدات سے پیدا شدہ مسائل پر تفصیل سے اظہار خیال کیا گیا۔ خلاصہ کے طور پر اس میں کہا گیا: ''ملک کے مختلف طبقات کے ذریعہ متعدد پرسنل اور رواجی قوانین پر عمل درآمد دراصل آئین کے آرٹیکل 25، 26 اور 29 مذہبی وثقافتی حقوق کے مطابق ہے۔ مختلف طبقات، مذہبی اکائیوں اور قبائل کے مذہبی وثقافتی اصولوں کے مطابق ایسے قوانین کا ان پر اطلاق ہمارے ملک کی مضبوط جمہوریت اور تنوع کی روشن مثال کے جشن کے طور پر منایا جانا چاہیے۔''

جواب کے چوتھے حصے میں، موجودہ سول قوانین اور اس کی نام نہاد یکسانیت پر بحث کی گئی۔ جواب میں کہا گیا کہ ہم یہ حقائق اس بات کی نشاندہی کے لیے پیش کررہے ہیں کہ موجودہ قوانین میں بھی مذہبی اصولوں اور رسوم ورواج اور قبائلی استثنیٰ کی عکاسی جھلکتی ہے، جس سے مذہبی وثقافتی تنوع اور رسوم ورواج کی ناقابل تنسیخ پوزیشن واضح اور متعین ہوجاتی ہے، جس کو اس طرح کے ضابطوں) یونیفارم سول کوڈ (کے تحت ختم نہیں کیا جاسکتا۔ ممکنہ یونیفارم سول کوڈ کے دائرہ کار اور نوعیت کا تجزیہ کرنے کا کام بھی موجودہ عائلی قوانین کے تناظر میں ہی کیا جاسکتا ہے، عمومی اور ذاتی دونوں حیثیت ہے۔ اس تجزیہ کی دو بنیادیں ہوسکتی ہیں: (1) کیا موجودہ عمومی/ یکساں خاندانی قوانین واقعی یکساں ہیں؟ (2) کیا موجودہ کوڈیفائیڈ کمیونٹی پر مبنی ذاتی قوانین یکساں ہیں؟

پھر بورڈ نے موجودہ سول قوانین کا تجزیہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ موجودہ عمومی/ یکساں خاندانی قوانین صحیح معنوں میں یکساں نہیں ہیں، یہاں تک کہ موجودہ کوڈیفائیڈ قوانین بھی یکساں نہیں ہیں۔ ہندوستان میں جسے یونیفارم عائلی قانون کہا جاتا ہے وہ ہرگز بھی یکساں نہیں ہے۔ جیسے ActMarriageSpecial جس کو نہ صرف اکثریت کے قوانین کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے بلکہ اس میں روایتی قوانین کے لیے استثنیٰ بھی فراہم کیا گیا ہے۔

جواب کے آخری حصہ میں بورڈ نے کہا: ''یونیفارم سول کوڈ کیا ہے؟ بظاہر جواب آسان لگتا ہے لیکن یہ پیچیدگیوں اور مشکلات سے بھرا ہوا ہے۔ ان پیچیدگیوں کا احساس آئین ساز اسمبلی نے 1949 میں اس وقت کیا تھا جب یونیفارم سول کوڈ پر اسمبلی میں بحث ہوئی تھی۔ آئین ساز اسمبلی میں یکساں سول کوڈ کے موضوع پر تفصیلی بحث ہوئی تھی۔ بحث میں مسلمانوں کی طرف سے یونیفارم سول کوڈ پر شدید مخالفت ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر ہمیں بحث کے اختتام پر ڈاکٹر امبیڈکر کی طرف سے دی گئی وضاحت کو یاد رکھنا مناسب ہوگا، یہ بالکل ممکن ہے کہ مستقبل کی پارلیمنٹ اس پر آغاز کرتے ہوئے یہ انتظام کرے کہ یہ ضابطہ صرف اور صرف ان لوگوں پر لاگو ہوگا جو یہ اعلان کریں کہ وہ اس کے لیے تیار ہیں، تاکہ ابتدائی مرحلے میں ضابطہ کا اطلاق خالصتاً رضا کارانہ ہو۔ ہمارے ملک کی سب سے اہم دستاویز دستور ہند میں بھی یکسانیت نہیں ہے، تاکہ ملک کے اتحاد کو برقرار رکھا جاسکے۔ مختلف علاقوں، قوموں، برادریوں کے اصول وضوابط کو آئین نے قبول کیا ہے محض یکسانیت کے نام پر مروجہ اصول وضوابط، رواج ورسومات کو کالعدم نہیں کیا جاسکتا۔ جب کہ دوسری طرف ملک کے مسلمہ قوانین وضوابط میں بھی پورے ملک میں یکسانیت نہیں ہے۔ یکسانیت کا ہوا کھڑا کرنے والوں سے یہ سوال بھی کیا جانا ضروری ہے کہ کیا محض یکسانیت کے نام پر صدیوں سے سماج میں رائج پرسنل لاز اور ریتی رواج کو اکھاڑ پھینکا جائے گا جب کہ ملک کے مسلمہ قوانین اور نام نہاد یونیفارم قوانین بھی یکسانیت سے عاری ہیں۔ گوا کا سول قانون بھی تنوع سے بھرا ہوا ہے۔ ملک کے دستور میں بھی مختلف طبقات اور علاقوں کی رعایت کی گئی ہے۔ ملک کا سول قانون (Cr.PCand.IPC) پورے ملک میں یکساں نہیں ہے۔ ریاستوں نے اس میں سو سے زائد ترمیمات کر رکھی ہیں۔ ہندو میرج ایکٹ جو کہ ہندوؤں کے عائلی قانون کو منضبط کرنے کے لئے بنایا گیا تھا، تضادات اور تنوع کا مجموعہ ہے۔ مختلف ذاتوں، طبقات کو کئی معاملات میں استثنیٰ دیا گیا ہے۔ اسپیشل میرج ایکٹ بھی اپنے تحت شادی کرنے والوں کو ہندو سکسیشن ایکٹ کی راہ دکھاتا ہے اور روایتی قوانین کو دھندلا کردیتا ہے۔ مختلف قوانین میں جو تنوع وتضادات ہیں، یہاں ان کی محض چند مثالوں پر اتفاق کیا گیا۔ اکثریتی زعم کو پرسنل لاز، مذہبی آزادی اور اقلیتوں کے حقوق پر یونیفارم سول کوڈ کے نام پر حاوی نہیں کیا جانا چاہئے۔ 21 دیں لاء کمیشن کے ذریعہ تیار کردہ مشاورتی رپورٹ کی اشاعت کے بعد حکومت نے اس پر مکمل خاموشی کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ کیا اس نے اسے کلی طور پر یا جزوی طور پر قبول کیا ہے؟ نہ ہی حکومت نے یہ بتایا ہے کہ اس نے 21 ویں لا کمیشن کے سفارشات کے نفاذ کے لئے کیا اقدامات کئے ہیں۔ اگر اس نے 21 ویں لا کمیشن کے سفارشات کو کلی طور پر یا جزوی طور پر مسترد کردیا ہے تو اسے اس کی وجہ بھی بتانی چاہئے۔

(جاری کردہ ڈاکٹر محمد وقارالدین لطیفی آفس سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

یو سی سی پر اکابر ملت کا مشترکہ بیان

مسلم پرسنل لا جس کی اساس شریعت اپلیکیشن ایکٹ 1937ء ہے، اس سے ہمارے ملک میں مسلمانوں کی مذہبی شناخت متعلق ہے، ان میں سے بیشتر احکام قرآن مجید کی صریح آیات اور معتبر احادیث سے ثابت ہیں، اسی لیے ان پر امت کا اجماع واتفاق ہے۔ اس لیے ملت اسلامیہ ہند کا حکومت ہند سے متفقہ مطالبہ ہے کہ وہ مسلم پرسنل لا کو متاثر کرنے والا قانون یونیفارم سول کوڈ لانے کا ارادہ ترک کردے اور دستور کے بنیادی حقوق کے تحت ملک کے تمام لوگوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی جو آزادی دی گئی ہے، اس کا احترام کرے۔ مسلمانوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ بائیسویں لا کمیشن آف انڈیا نے یونیفارم سول کوڈ کے سلسلہ میں ملک کے شہریوں سے جو رائے طلب کی ہے اس کا ضرور جواب دیں۔ اپنے جواب میں یہ واضح کریں کہ ہمیں یونیفارم سول کوڈ قطعاً قبول نہیں ہے۔ کوشش کریں کہ 14 جولائی سے پہلے ہر تنظیم اپنی تنظیم کی طرف سے اور ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت سے لا کمیشن تک ای میل یا کسی اور ذریعہ سے اپنا جواب پہنچادے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

مولانا کاکا سعید احمد عمری
نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

مولانا سید ارشد مدنی
نائب صدر بورڈ، صدر جمعیۃ علماء ہند

پروفیسر ڈاکٹر سید علی محمد نقوی
نائب صدر بورڈ (فرقہ اثناعشریہ)

مولانا ڈاکٹر سید شاہ خسرو حسینی
نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جناب سید سعادت اللہ حسینی
نائب صدر بورڈ (امیر جماعت اسلامی ہند)

مولانا محمد فضل الرحیم مجددی
جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

مولانا سید محمود اسعد مدنی
صدر جمعیۃ علماء ہند

مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مولانا اصغر علی بن امام مہدی سلفی
امیر جمعیت اہل حدیث

مولانا سید مسعود حسین مجتہدی
فرقہ مہدویہ

مولانا سید احمد ولی فیصل رحمانی
امیر شریعت بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ

مولانا صغیر احمد رشادی
امیر شریعت کرناٹک

مولانا محمد یوسف علی
امیر شریعت آسام وشمال مشرقی ہند

جناب ضیاء الدین نیر
صدر کل ہند مجلس تعمیر ملت، حیدرآباد

پروفیسر علی کٹی مصلیار
صدر کیرالا جمعیت علماء

مولانا حکیم محمد عبد اللہ مغیثی
صدر آل انڈیا ملی کونسل

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا محمد سفیان قاسمی
مہتمم دارالعلوم وقف، دیوبند

مولانا سید محمد شاہد الحسنی مظاہری
ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

مولانا مفتی احمد خانپوری
گجرات

جاری کردہ: ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس (ترجمان آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

Scanned with CamScanner

مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: مٹی کے کمرے سے دنیا کی دوسری بڑی مسجد تک

سعودی عرب کے شہر مدینہ میں واقع مسجدِ نبوی دنیا میں مسلمانوں کا دوسرا مقدس ترین مقام ہے اور اسے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان کے ہیڈ کوارٹر کی حیثیت حاصل تھی۔ اسلامی روایات کے مطابق مسجد نبوی میں ادا کی گئی نماز کا ثواب مکہ میں واقع مسجد الحرام کے علاوہ کسی بھی دیگر مسجد میں ادا کی گئی نماز کے مقابلے میں پچاس ہزار گنا زیادہ ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مسجد مکہ سے اُس وقت یثرب کہلائے جانے والے شہر مدینہ ہجرت کرنے کے بعد تعمیر کروائی اور مسجدِ قبا کے بعد مدینہ میں تعمیر کی جانے والی یہ دوسری مسجد تھی۔ اسلامی روایات کے مطابق اسی مسجد میں وہ مقام بھی واقع ہے جسے ''ریاض الجنہ'' یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ کہا جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک حدیث کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ ''میرے گھر اور مسجد نبوی کے منبر کے درمیان ایک جگہ جنت کے باغ کا ٹکڑا ہے۔''

1400 برس سے زیادہ قدیم مسجد آج وسعت پاتے پاتے قدیم مدینہ شہر کی حدود سے باہر تک پھیل گئی ہے اور وہ سارا علاقہ جو اسلام کے ابتدائی دور کا شاہد ہے اب اس کا حصہ بن چکا ہے۔ اس علاقے میں اسلام کے ابتدائی دور کی ہزاروں نشانیاں موجود تھیں جیسے کہ روضۂ رسول جہاں دو صحابہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی دفن ہیں، پیغمبر اسلام کی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر بیویوں کے مکانات، گزشتہ صدیوں میں مسجد کو دی جانے والی وسعت کے نتیجے میں اب اس کے اندر آ گئے ہیں۔ 1444 برس قبل یہ مسجد پیغمبر اسلام کے گھر سے متصل جگہ پر 632 عیسوی میں تعمیر کی گئی تھی اور آنے والی صدیوں میں کئی مرتبہ اس کو وسعت دی جاتی رہی۔

سلطان غالب القعیطی نے مسلمانوں کے مقدس شہروں، حج اور دنیائے اسلام کے بارے میں اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ 1909 میں جزیرہ نما عرب میں مسجد نبوی وہ واحد عمارت تھی جہاں روشنی کے لیے بجلی کا استعمال کیا جاتا تھا۔ سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے دور میں اس کو وسیع کرنے کا سب سے بڑا منصوبہ شروع کیا گیا جو اب بھی تکمیل کے مراحل میں ہے، کہا جاتا ہے کہ اس منصوبے کی تکمیل کے بعد ہر برس کروڑوں عقیدت مندوں کی منزل بننے والی اس مسجد میں ایک وقت میں 18 لاکھ افراد کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہوگی۔

گنجائش: عصر حاضر کی اسلامی فکر کے ایک ماہنامہ رسالے میں مسجد نبوی کی تاریخ اور گنبد خضریٰ کے عنوان سے شائع ہونے والے ایک مضمون میں ظفر بنگش لکھتے ہیں کہ ابتدا میں مسجد نبوی کا رقبہ صرف 98 ضرب 115 فٹ تھا۔ تاہم آنے والے ادوار میں مسجد کو کئی مرتبہ وسعت دی گئی تا کہ دنیا بھر سے آنے والے لوگوں، خاص طور پر حجاج کرام کے لیے ایک وقت میں نماز ادا کرنے کی زیادہ سے زیادہ گنجائش پیدا کی جا سکے۔ خیال رہے کہ یہ مسجد مسلمانوں کے ان تین مقدس ترین مقامات میں ایک ہے جہاں ثواب حاصل کرنے کی غرض سے طویل سفر کی اجازت ہے۔

ڈاکٹر شفیق عمر نے اپنے ایک تحقیقی مقالے میں تحریر کیا ہے کہ اپنے ابتدائی رقبے کے لحاظ سے یہ مسجد اب سو گنا بڑی ہے اور تقریباً پورے قدیم شہر پر پھیلی ہوئی ہے۔ پروفیسر صاحب نے بیان کیا ہے کہ مسجد کی بیرونی دیوار اب جنت البقیع کے قبرستان سے مل گئی ہے جو پیغمبرِ اسلام کی زندگی میں شہر کے مضافات میں تھا اور انھوں نے اس بارے میں ڈاکٹر محمد واجد اختر کی کتاب ''نو حقائق جو آپ مسجدِ نبوی کے بارے میں نہیں جانتے'' کا حوالہ دیا ہے۔ مسجد کو وسعت دینے کا حالیہ منصوبہ جو شاہ عبداللہ نے 2012 شروع کروایا تھا پایہ تکمیل تک پہنچنے پر 18 لاکھ افراد کے لیے اس مسجد میں بیک وقت نماز ادا کرنے کی گنجائش فراہم کر دے گا۔ سعودی عرب کے وزیر خزانہ ابراہیم العساف کا کہنا ہے کہ مسجد کے مرکزی حصے کی عمارت چھ لاکھ 14 ہزار 800 مربع میٹر پر مشتمل ہوگی جبکہ مسجد اور اس کے صحنوں کا مجموعی رقبہ 10 لاکھ 20 ہزار 500 مربع میٹر پر محیط ہوگا جس کے بعد 10 لاکھ افراد مسجد کی مرکزی عمارت اور آٹھ لاکھ اس کے بیرونی صحن میں بیک وقت میں نماز ادا کر سکیں گے۔ عرب نیوز نے مسجد کے ترجمان شیخ عبدالواحد الحطاب کے حوالے سے اطلاع دی تھی کہ شاہ عبداللہ نے مسجد کے اندر خصوصی طور تیار کی گئی 250 چھتریاں لگانے کا حکم دیا تھا جو ایک لاکھ 34 ہزار مربع میٹر علاقے کو سایہ فراہم کریں گی۔ یہ خودکار چھتریاں دوہری تہہ والی ہوں گی تا کہ نمازیوں کو بارش اور صحرائے عرب کی چلچلاتی دھوپ سے مکمل طور پر محفوظ رکھا جائے۔ مسجد کو وسعت دینے کے منصوبے کے دوسرے اور تیسرے مرحلے میں دس لاکھ نمازیوں کی گنجائش فراہم کر دی جائے گی جبکہ پہلے مرحلے میں آٹھ لاکھ افراد کی جگہ بنائی جائے گی۔

مسجد کے گرد و نواح اور انتظام: جنت البقیع کا تاریخی قبرستان جو اب مسجد کی مغربی دیوار کے باہر ہے ان چند عمارتوں اور جگہوں میں شامل ہیں جو مسجد کے چاروں اطراف موجود ہیں۔ یہ قبرستان بھی مسلمانوں کے لیے اہم ہے کیونکہ یہاں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ، بیٹی اور دیگر رشتہ داروں کی قبور ہیں۔ مسجد کے احاطے کے گرد جو دیگر عمارتیں اور جگہیں ہیں ان میں سعودی حکومت کے ادارے، ہسپتال، شاپنگ مال، پرتعیش ہوٹل اور بڑی شاہراہیں شامل ہیں۔ مدینہ کی مسجد نبوی اور مکہ کی مسجد الحرام دونوں کا انتظام ایک خصوصی ادارہ چلاتا ہے جبکہ مسجد کی نگرانی کی ذمہ داری سعودی شاہی خاندان کی ہے اور سعودی بادشاہ خود کو خادم الحرمین شریفین کہلاتے ہیں۔

امامت: پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہلی شخصیت تھے جنھوں نے اس مسجد میں نماز کی امامت کی، ان کے وصال کے بعد ان کے ساتھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ عمل سرانجام دیتے رہے۔ شیخ علی بن عبدالرحمان الحذیفی اس وقت مسجدِ نبوی کے مرکزی امام ہیں تاہم 11 اکتوبر 2019 کو سعودی حکومت نے مزید دو مستقل اماموں کی تعیناتی کی ہے جن میں موجودہ امام کے بیٹے شیخ احمد حذیفی کے علاوہ شیخ خالد المہانہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر امام بھی موجود ہیں جو خصوصاً تہجد کی نماز کی امامت کرتے ہیں۔

موذن: المبارکپوری کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو مسجدِ نبوی کا پہلا مؤذن مقرر کیا تھا۔ روایت کے مطابق جب صحابی رسول عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان کے بارے میں اپنے خواب سے آگاہ کیا تو انھوں نے ان سے کہا وہ بلال کی تربیت کریں کیونکہ ان کی آواز بلند ہے اور وہ لوگوں کو نماز کے لیے بلا وا دیں گے۔ سعودی اخبار الریاض کے مطابق چیف مؤذن شیخ عبدالرحمان خشوقجی کا کہنا ہے کہ آج کل مسجدِ نبوی میں مؤذنوں کی تعداد 17 ہے جو روزانہ پانچ وقت اذان دیتے ہیں۔ ہر روز ان میں سے تین مؤذن پانچ وقت مکبر یہ سے اذان دیتے ہیں اور نماز کے دوران امام کی آواز نمازیوں تک واضح طور پر پہنچانے کے لیے دہراتے ہیں۔

ابتدا: المبارکپوری کے مطابق پیغمبر اسلام نے مدینہ پہنچنے پر یہ زمین دس دینار میں دو یتیموں سہل اور سہیل سے خریدی تھی۔ اس سے قبل یہ زمین کھجوریں سکھانے کے لیے استعمال ہوتی تھی، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس مسجد کی تعمیر میں شرکت کی تھی۔ تعمیر کے لیے پتھر کی بنیادوں کا استعمال کیا گیا اور مٹی کی دیواریں بنائی گئیں۔ کھجور کے درختوں کے تنے اور شاخیں چھت کے لیے استعمال کی گئیں۔ اس وقت مسجد کے تین دروازے تھے اور اس کا رخ مسجدِ الاقصیٰ کی جانب تھا جو کہ اس وقت کا قبلہ تھا۔ اس میں غریبوں اور مسافروں کو پناہ دینے کے لیے ایک سایہ دار حصہ بھی بنایا گیا تھا۔ بعد میں قبلے کا رخ تبدیل کر کے کعبے کی جانب کر دیا گیا تھا اور ایک دروازے کو بند کر کے دوسری سمت میں ایک اور دروازہ بنا دیا گیا تھا۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو تجویز دی کہ چھت کو گارے سے پختہ کر دیا جائے، تو انھوں نے انکار کرتے ہوئے کہا: ''نہیں، یہ چھت عرشِ موسیٰ کی طرح رہے گی، موسیٰ کی چھپر نما چھت کی طرح۔'' اس کے تین سال بعد تک فرش کو کسی چیز سے ڈھکا نہیں گیا تھا۔ مسجد کے ترجمان کا کہنا ہے کہ مسجد کا ابتدائی رقبہ 1050 مربع میٹر تھا اور ہجرت کے سات سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر اسے بڑھا کر 1425 مربع میٹر کر دیا گیا تھا۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر: پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان مسجد کے بالکل ساتھ بنایا گیا اور وہاں ہی ان کا انتقال ہوا اور وہیں ان کی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں انھیں سپردِ خاک کیا گیا۔ ڈاکٹر زریوا کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور ان کے ساتھی ان کی تدفین کے لیے بہترین مقام کا انتخاب کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ چکے تھے کہ نبیوں کو وہیں دفنایا جاتا ہے جہاں اللہ ان کی روح نکالتا ہے۔ جب خلیفۂ اولؓ بیمار ہوئے تو انھوں نے اپنی بیٹی سے اجازت مانگی کہ کیا وہ ان کے حجرے میں پیغمبرِ اسلامؐ کے قریب دفن ہو سکتے ہیں جس پر حضرت عائشہؓ نے رضامندی ظاہر کر دی۔ خلیفۂ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا اور انھیں بھی پیغمبرِ اسلامؐ اور پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کے قریب دفن ہونے کی اجازت مل گئی۔ تاہم کئی صدیوں میں مسجد کے پھیلاؤ کی وجہ سے قبروں والا یہ حجرہ مسجد کے اندر آ گیا ہے۔ مسجدِ نبوی کا معروف سبز گنبد اس حجرے کے اوپر ہی بنایا گیا ہے۔

مسجد کی خوبصورتی: شاندار طرزِ تعمیر اور جدید ترین ٹیکنالوجی سے بنائی گئی اس عمارت کی ہر چیز انتہائی خوبصورت ہے اور مبالغہ آرائی کے بغیر بھی کہیں تو یہ عمارت دور سے بھی بہت زیادہ دلکش ہے۔ اس مسجد میں اندر سے لے کر باہر تک اس کی ٹیکنالوجی، طرزِ تعمیر، اس کی مینجمنٹ، اس کے وسائل کے استعمال ہر طرح سے حسن چھلکتا ہے۔ اپنے احاطوں سے اس کے صحن تک اور دیدہ زیب زر و جواہرات سے مزین چھتوں تک، اس کے حجم اور اس کے بلندی سے لے کر اس کے گنبدوں اور میناروں تک، اس کے صحنوں اور اس کی چھتریوں سے لے کر اس کی چھت تک، اس کی روشنیوں اور ساؤنڈ سسٹم سے لے کر اس کی ٹھنڈک اور اس کی راحت تک، اس کی دیواروں اور اس کے فرش سے لے کر اس کے دروازوں اور سیڑھیوں تک، یہاں تک کہ اس کے ستونوں اور غالیچوں کی آرائش کو بھی الفاظ میں بیان کرنا ناانصافی ہوگی۔ اس مسجد کے ترجمان شیخ عبدالواحد الحطب کا کہنا ہے کہ اس کمپاؤنڈ میں 250 میناروں پر خودکار چھتریاں لگائی گئی ہیں تا کہ عبادت گزار شدید دھوپ اور بارش سے بچ سکیں۔ ان چھتریوں میں اپنے ہی پانی کی نکاسی کا نظام بنایا گیا ہے، اور ہر ایک 143 مربع میٹر جگہ پر سایہ کرتی ہے اور 800 عبادت گزاروں کو موسم کی سختیوں سے بچاتی ہے۔

مسجد کے دروازے: فی الحال مسجد کے آرکیٹیکچرل ڈیزائن کے مطابق 41 دروازے ہیں اور ہر دروازے کے اوپر ایک پتھر کا بنا کتبہ لگا ہے جس پر لکھا ہے **''امن اور سلامتی کے ساتھ داخل ہوں''** جو کہ قرآن کی سورۃ الحجر کی 46 ویں آیت ہے۔ شیخ حتابی کہتے ہیں کہ اس کے 85 دروازے ہیں۔ کسی گیٹ میں ایک دروازہ ہے تو کسی میں دو، کسی میں تین یا چار یا پانچ تک دروازے ہیں، اس کے علاوہ ایلیویٹرز بھی ہیں جو کہ صحن اور پہلے فلور سے دوسری منزل پر لے کر جاتے ہیں۔

مسجد کی توسیع: خانہ کعبہ اور مسجدِ نبوی کی سعودی جنرل پریزیڈنسی کا کہنا ہے کہ پیغمبرِ اسلام کی بنائی ہوئی مسجد کا ابتدا میں سائز 1050 مربع میٹر تھا۔ اخبار عکاظ نے پریزیڈنسی کے ترجمان کے حوالے سے بتایا کہ ہجرت کے سات سال کے بعد پیغمبرِ اسلام کی ہدایت پر اس بڑھا کر 1425 مربع میٹر کر دیا گیا تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صدیوں بعد اس مسجد کی متعدد بار تعمیرِ نو اور توسیع ہو چکی ہے جس کی ابتدا حضرت عمرؓ کے دور میں شروع ہوئی اور پھر اموی اور عباسی ادوار اور خلافتِ عثمانیہ سے لے کر سعودی دور جاری رہی ہے۔ مدینہ میں مسلم آبادی میں اضافے کے باوجود مختلف جہتوں سے اس کی توسیع کے دوران اس کی حقیقی بنیاد کو محفوظ رکھنے کے لیے اس مسجد کے رتبے کا لحاظ رکھا گیا۔ ڈاکٹر زریوا کہتے ہیں کہ اس میں پیغمبرِ اسلام کی ایک حدیث شامل ہے جس کے مطابق اس مسجد میں ادا کی گئی ایک نماز مکہ کی مسجد الحرام کو چھوڑ کر باقی تمام مساجد میں ادا کی گئی پچاس ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ اس کے علاوہ یہ ان صرف تین مساجد میں سے ایک ہے، جس کی زیارت کے لیے طویل سفر کرنے کی مسلمانوں کو اجازت ہے۔ چنانچہ حج اور عمرے کے دوران لاکھوں کی تعداد میں مسلمان اس مسجد کی زیارت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر زریوا کے مطابق حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ اگر مسجد اپنی اصل بنیادوں پر کھڑی ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اس کی توسیع شام تک پہنچ جائے۔

''حضرت محمد اور مدینہ کی اربنائزیشن'' نامی ایک تحقیقاتی رپورٹ میں سپاک عمر کہتے ہیں کہ مسجد اپنی اصل سائز کے مقابلے میں اس وقت 100 گنا زیادہ بڑی ہے اور پرانے مدینہ شہر کے تقریباً تمام حصوں پر محیط ہو گئی ہے۔ انھوں نے مزید وضاحت کی ہے کہ ڈاکٹر محمد واجد اختر نے اپنی کتاب **''مسجدِ نبوی کے بارے میں وہ نو چیزیں جو آپ نہیں جانتے''** میں کہا ہے کہ مسجد کی بیرونی حد آج جنت البقیع سے جڑی ہے مگر پہلے جنت البقیع قدیم مدینہ کی حدود سے باہر ہوتا تھا، اسی لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ مسجد آج قدیم مدینہ کے مکمل علاقے پر محیط ہو گئی ہے۔ پیغمبرِ اسلام کے بعد پہلی مرتبہ مسجد کی توسیع رش کی وجہ سے دوسرے خلیفہ کے دور میں سنہ 638 میں کی گئی۔ انھوں نے مسجد کے اردگرد کی زمین خریدی اور اسے مسجد کا حصہ بنا دیا تاہم اس جانب جہاں پیغمبر اسلام کی بیویوں کے مکانات تھے اس جانب کچھ نہیں کیا گیا۔

اس کے بعد تیسرے خلیفہ عثمان بن عفانؓ نے بھی سنہ 650 عیسوی میں صحابہ سے مشاورت کے بعد مسجد کو اپ گریڈ کیا۔ اخبار عرب نیوز کے مطابق انھوں نے پلستر اور تراشے ہوئے پتھر کی دیواریں بنوائیں، تراشے ہوئے پتھر اور لوہے کی مدد سے ستون بنوائے اور ٹیل کی لکڑی کی چھت بنوائی۔ (بقیہ آئندہ)

Scanned with CamScanner

سیرت نبوی ﷺ کا ایک درخشاں باب - ہمت وشجاعت

عبد الرحمن عزام

توحید وآخرت کی دعوت جب اہل قریش کے دین وعقل سے ٹکرائی تو انہوں نے داعی کا مذاق اڑایا اور پھر ایذ ارسانی اور سرکشی پر اتر آئے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف توحید کی دعوت ہی نہیں دی بلکہ انہوں نے شراب وزنا، جوا اور سود کی حرمت کا بھی اضافہ کیا جن کے اہل قریش عادی تھے اور انہیں فخر وعیش اور سرمایہ داری کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے۔ قریش کا سود تمام قبائل میں پھیلا ہوا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی شے کو حرام کر رہے تھے جسے وہ زندگی کا مزہ اور اپنی ثروت کا ذریعہ سمجھ رہے تھے تو وہ لوگ اس بات پر کیسے صبر کر سکتے تھے؟ شراب، زنا اور سود قوم کے دلوں میں کس طرح جاگزیں تھے، اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ یہ برائیاں قریش کا ہتھیار تھیں جن سے وہ عربوں کو دعوت، محمد سے نفرت دلاتے تھے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف توحید وآخرت اور ان کی بعض مرغوب اشیاء کی حرمت کی دعوت نہیں دی بلکہ ان کے لئے ایک عجیب وغریب شے یعنی مساوات کی دعوت بھی دی اور لوگوں کو کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر کر رہے تھے، قریش نے مساوات کا انکار کر کے اپنے دین میں بھی تحریف کر لی تھی اور عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرنے اور وہاں سے لوگوں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روایتوں اور حج کے فرائض میں سے ہے، قریش نے عربوں پر یہ پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ اپنے بدوی لباس میں طواف نہ کریں چنانچہ وہ ننگے طواف کرتے تھے، قریش جنہوں نے اپنے لئے مختلف امتیازات مخصوص کر لئے تھے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل مساوات سے کیسے راضی ہو جاتے، قریش اس دعوت مساوات کو برداشت نہ کر سکے اور غلاموں کو پکڑنے لگے اور ان کمزور لوگوں کو ستانے لگے جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں انصاف محسوس کیا تھا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان کے بتوں کی تردید کی بلکہ بعث بعد الموت اور حساب سے ڈرایا اور ان کا جاہ وجلال ختم کر دیا، سود اور ان کی شہوتوں کو حرام کر دیا اور انہیں اور غلاموں اور کمزوروں کو برابر کر دیا، بلکہ مالداروں کے مال میں غلاموں، فقیروں اور مسافروں کا حق بھی بتایا۔

اس اجمال سے آپ کے سامنے اس معاشرے کی تصویر آ گئی ہوگی جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید اور قوم کے لئے ناپسندیدہ سیاسی ومعاشرتی نظام کی دعوت دی، قرآن نے اس طرح ان کی نفسیات کو بیان کیا ہے کہ ’’وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کی ہدایت کی اتباع کریں گے تو اپنی زمین سے اغوا کر لئے جائیں گے‘‘ (سورۂ قصص:57) اگر ان سب باتوں کو آپ سامنے رکھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس جدوجہد کے لئے کیسی شجاعت وصبر کی ضرورت تھی، شجاعت وصبر ہی انسانیت کے ستون ہیں جو اسے زمین پر پہاڑوں کی طرح قائم رکھتے ہیں۔ رہنماؤں اور شہیدوں نے شجاعت کی جو مثالیں قائم کی ہیں وہ تاریخ میں روشنی اور ہدایت کا کام کرتی ہیں، معلم انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا ان کی زندگی بھر امتحان ہوتا رہا، مگر اس میں کمزوری نہیں آئی، یہ شجاعت بچپن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت واسلام دونوں میں اس سلسلے میں آگے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں ایک بار لات وعزیٰ کی قسم دلائی گئی تو آپ نے مخاطب کو ڈانٹ دیا کہ ’’ان دونوں کے ذریعہ مجھ سے کبھی سوال نہ کرنا کہ وہ واللہ مجھے سب سے زیادہ ناپسند ہیں‘‘۔ (سیرت ابن ہشام 182/1) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار اپنے دو چچاؤں کے ساتھ یمن کے لئے نکلے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سترہ سال کے تھے۔ ان لوگوں نے وادی میں ایک سرکش اونٹ کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سدھا دیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد 139/2) حرب فجار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیس سال سے بھی کم کے تھے مگر اپنے چچاؤں کے ساتھ تیر اندازی کر رہے تھے، اسی طرح ایک بار قافلہ کے سامنے پانی سے بھری ہوئی ایک وادی آ گئی اور لوگ خوفزدہ ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور لوگوں سے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ (سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد 139/2) یہ بچپن کی جرأت وہمت کی کچھ مثالیں تھیں، رسالت کے بعد کی بھی بہت ساری مثالیں ہیں جن کی عظمت کے آگے مشاہیر عالم سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ جب جنگ تیز ہو جاتی اور آنکھیں سرخ ہو جاتیں تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کی فکر کرتے کیونکہ ان سے زیادہ دشمن سے قریب کوئی نہیں ہوتا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء 392/2)

ہم یہاں دو واقعات کا ذکر کریں گے جو ہمارے نزدیک کسی سپاہی کی شجاعت کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ ایک رات اہل مدینہ ایک آواز سن کر گھبرا گئے اور کچھ لوگ اس آواز کی طرف چلے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوتے ہوئے ملے جو ان سے پہلے اس آواز کی طرف جا چکے تھے، گھوڑے پر سوار ہو کر اور گردن میں تلوار لٹکائے ہوئے تھے اور خبر کی تحقیق کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ تم لوگ ڈرو نہیں (صحیح بخاری) جنگ حنین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار تھے اور للکار رہے تھے جب کہ دوسرے لوگ بھاگ رہے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ رجز تھا۔ (میں نبی ہوں اور یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں) لوگوں کا بیان ہے کہ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ثابت قدم اور دشمن سے زیادہ قریب کوئی نہ تھا۔ اس طرح کی شجاعت جس میں اور بھی مشاہیر عالم ممتاز رہے ہیں اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بڑا حصہ ملا تھا، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان کی مخصوص شجاعت وہ تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو ان کی ناپسندیدہ دعوت دی، ان کی شجاعت کا ظہور اس وقت ہوا جب قریش نے چچا ابو طالب اور ان کے ہاشمی متبعین کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے سبب ان کے مقاطعے کا معاہدہ کعبہ پر لٹکا دیا اور وہ تین سال سختیاں جھیلتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر نماز پڑھتے رہے اور اعلانیہ قرآن کی تلاوت کرتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت اس وقت بھی ظاہر ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب اور بیوی خدیجہؓ کی وفات چند دنوں کے فرق سے ہوگئی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار وغمخوار تھے، پھر مکہ میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حادثات اس طرح گزرتے رہے جیسے طوفان پہاڑ کی چوٹی سے گزرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی اس وقت بھی ثابت ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تن تنہا قبائل کو دعوت دی اور ان کے قول وفعل کی سختی برداشت کی۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے ساتھی یثرب کو ہجرت کر گئے تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں اعلانیہ نماز وتلاوت میں مشغول رہے، یہ ایسے واقعات ہیں جن کی اگر کماحقہ تصویر کشی کی جائے تو ہر قوم وزمانہ کے ابطال ومشاہیر انہیں شجاعت کی مثالیں بنالیں۔

وہ طبعی واخلاقی شجاعت جو تمسخر سے کمزور نہ ہو اور کسی وعدہ وعید سے متاثر نہ ہو، اس نے خُلقِ محمدی کو سہارا دیا اور وہ تاریخ انسانی میں بے نظیر ثابت ہوئی۔ آپ ذرا غور کریں کہ قریش نے ان پر تمسخر واستہزاء کے ہتھیار سے حملہ کیا جو لوگوں کی ہمت وعزیمت کے لئے سب سے مہلک ہتھیار ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا سے جب قریش کو آواز دی اور انہوں نے عذاب الٰہی کی وعید سنی تو وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر واپس ہو گئے اور ابولہب بول پڑا کہ (معاذ اللہ) خدا غارت کرے کیا ہمیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی لئے بلایا تھا؟ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ’’یہ قرآن مت سنو اور اس میں لغو باتیں ملا دو تاکہ تم غالب رہو (سورہ حم سجدہ:26) وہ جانتے تھے کہ استہزاء کا ہتھیار ظلم وجور سے بھی زیادہ کارگر ہوتا ہے، اس لئے وہ اس سے برابر کام لیتے رہے، چنانچہ جب قرآن مجید نے انہیں ڈرانے کے لئے شجرِ زقوم کا ذکر کیا تو ان کی سرکشی اور بڑھ گئی اور ان میں سے ایک مذاق کرتے ہوئے بولا کہ اے اہل قریش! تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس زقوم سے تمہیں ڈراتے ہیں وہ یثرب کی عجوہ کھجور ہے جو بالائی میں تر ہو، واللہ وہ ہمیں اگر ملے تو ہم اسے مزے لے لے کر کھائیں۔ (سیرت ابن ہشام 362/1) اور جب قرآن نے جہنم اور اس کے انیس پہریداروں کا ذکر کیا تو ابو جہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے ہوئے قریش سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ جہنم کے ایک آدمی سے عاجز ہو جائیں گے وہ انیس ہیں مگر تم تو ان سے کہیں زیادہ ہو تو کیا تمہارے سو آدمی جہنم کے ایک آدمی سے عاجز ہو جائیں گے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ: ’’ہم نے جہنم کے پہریدار ملائکہ بنائے ہیں اور ہم نے ان کی تعداد کو کافروں کے لئے فتنہ بنایا ہے‘‘ (سورہ مدثر:31) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں بیٹھتے تو ان کے پیچھے نضر بن حارث بھی بیٹھ جاتا تھا (جو حیرہ سے ایرانیوں اور رستم واسفندیار کے قصے سن کر آیا تھا) اور قریش سے کہنے لگتا تھا کہ واللہ میرے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دلچسپ قصے ہیں تم انہیں مجھ سے سنو، میں تمہیں ان کے ساتھ قرآن کا بدل بھی پیش کروں گا، پھر وہ انہیں رستم واسفندیار اور شاہانِ فارس کے قصے سناتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروؤں سے مذاق کی ایک اور تصویر ملاحظہ ہو، حضرت خباب بن الارتؓ کمزور صحابہ میں تھے اور تلواریں بناتے تھے، وہ مکہ کے ایک بڑے آدمی عاص بن وائل سے اپنا محنتانہ مانگنے گئے تو وہ ان سے کہنے لگا کہ خبابؓ! ’’تمہارے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہیں کہ جنت میں اہل جنت جو چاہیں گے ملے گا تو خبابؓ نے اس کی تصدیق کی، اس پر وہ کہنے لگا کہ تب قیامت کا انتظار کرو، جب میں وہاں آؤں گا تو تمہارا حق دے دوں گا، کیونکہ واللہ تم اور تمہارے ساتھی اللہ کے یہاں مجھ سے زیادہ عزیز و نصیبہ ور ہو گے‘‘۔ ولید بن مغیرہ مکہ کا اور ابو عروہ بن مسعود ثقفی طائف کا سردار تھا وہ دونوں قرآن کا مذاق کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ’’یہ قرآن اِن دونوں قریوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ ہوا‘‘ (سورہ زخرف:31) یہ کہہ کر وہ شانِ محمدی گھٹانے کی کوشش کرتے تھے، دعوت سے اس مذاق نے ان میں غفلت پیدا کی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر وثبات میں اضافہ کیا اس تمسخر وایذاء پر صدیاں گزر گئیں مگر شجاعت نبویہ کی اس پر برتری برقرار ہے اور دشمنوں پر اب بھی رعب طاری کر دیتی ہے۔

جب ہنسی مذاق اور ایذا رسانی کے سارے اسلحے ذات گرامی کے آگے بیکار ہو گئے تو مشرکین نے قتل کی سازش کی جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوشیدہ طور سے ہجرت کی اور غارِ ثور میں اپنے رفیق ابوبکر صدیقؓ کو تسلی دی کہ ’’گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے‘‘ (سورہ توبہ:40) ہجرت کے بعد کشمکش کا دور شروع ہوا جس میں اسلحہ کا استعمال بھی ہوا اور ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائدانہ وشجاعانہ پہلو کا بھی ظہور ہوا اور ان کے صبر ورضا کے ساتھ ان کا غیظ وغضب بھی ظاہر ہوا ان کے مقابلے میں مشاہیر عالم کے قصے پرانے ہو گئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے جس میں آپ صبر وشجاعت کی آیات پڑھ سکتے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعلیٰ مثال نظر آتے ہیں۔

> ’’آج کے اجلاس کا یہ پیغام ہے کہ ہم یونیفارم سول کوڈ کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کریں گے، یونیفارم سول کوڈ کو ہم مسلمانوں کے خلاف سمجھتے ہیں، ہندوؤں کے خلاف سمجھتے ہیں، عیسائیوں کے خلاف سمجھتے ہیں، سکھوں کے خلاف سمجھتے ہیں اور خود اس ملک کے خلاف سمجھتے ہیں، اور آج کے اس اجلاس کا یہ پیغام بھی ہے کہ اگر اس ملک میں مذہب کو بدلنے یا مذہب کو توڑنے کی کوشش کی گئی تو ہم رکاوٹ بنیں گے، ہم آڑے آئیں گے، کل بھی ہم نے اس ملک کی آزادی کے لئے قربانیاں دی تھیں اور آج بھی ہم اس ملک کی حفاظت کے لئے قربانیاں دینے کے لئے تیار ہیں۔‘‘
>
> (مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحبؒ)

Scanned with CamScanner

موجودہ حالات میں ملت اسلامیہ کی ذمہ داریاں

مولانا اسرار الحق قاسمیؒ

نوع انسان کو اپنی زندگی کے لئے ایسے نظام اور قوانین کی ضرورت ہے جو پوری طرح سے درست ہو اور اس میں کسی طرح کا نقص نہ ہو، ظاہری بات ہے کہ ایسا نظام صرف اسی ذات کا بنایا ہوا نظام ہو سکتا ہے جس کا علم ہر شئی پر محیط ہو اور جو اپنے تمام بندوں کے مزاجوں سے واقف ہو، چاہے وہ بندے مشرقی ممالک کے رہنے والے ہوں یا مغربی ممالک کے، وہ ان کے ماضی سے بھی پورے طور پر واقف ہو اور اسے ان کے مستقبل کا بھی مکمل علم ہو، ایسی ذات سوائے اللہ رب العزت کے کوئی ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے کہ اس نے اس دنیا کو بنایا، اس نے اس میں موجود انگنت مخلوقات کو پیدا کیا اور اسی نے انسانوں کی تخلیق کی، اور ان کو مختلف مزاج اور صلاحیتیں عطا کیں، چنانچہ انسانوں کی زندگی کو کامیاب بنانے اور انھیں ان کی حقیقی منزل تک پہنچانے کے لئے خالق دو جہاں نے انسان کو دین اسلام کی شکل میں ایک جامع نظام عطا کیا، اس نظام کو باری تعالی نے حیات انسانی کے مختلف ادوار میں اپنے انبیا اور رسولوں کے ذریعہ تمام انسانوں تک بھیجا، تا کہ ہر دور کے لوگ اس سے مستفید ہوں اور کامیاب زندگی گزاریں، قرآن مجید میں اس کا تفصیلی ذکر موجود ہے باری تعالی ارشاد فرماتا ہے: ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں (الاعراف: 59) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے (الاعراف: 65) ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا گیا: اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، اس نے کہا ہاں اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں (الاعراف: 85) یعنی انسانوں کی کامیابی کا راستہ پیغمبروں کے ذریعہ ہر دور میں بتایا جاتا رہا، آخر میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے دین اسلام کو بھیجا گیا اور اس دین کی تکمیل کا اعلان کر دیا گیا، ارشاد باری ہے: آج میں نے تمھارے لئے دین کو تمام کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمتوں کو مکمل کر دیا ہے اور تمھارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا ہے (المائدہ: 3) یعنی اب یہی دین جس میں دنیا میں زندگی گزارنے اور آخرت میں بھی سرخ رو ہونے کے تمام طریقے موجود ہیں، قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی بھلائی و کامیابی کے لئے ہے، ایسے میں وہ خوش نصیب قوم جس کے پاس دین اسلام کی روشنی ہے اس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس روشنی سے دیگر تمام انسانوں کو بھی روشناس کرائے، انھیں بتلائے کہ جس راستہ پر تم چل رہے ہو وہ کامیابی کا راستہ نہیں ہے۔

خالص مادیت کا وہ راستہ جو تم نے اپنے لئے منتخب کیا ہے وہ تمھیں بربادی کی طرف لے جاتا ہے، اگر تم دنیا و آخرت دونوں جہاں میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو تمام عالموں کے رب نے جو دین تمھارے لئے متعین کیا ہے اس کو مضبوطی سے تھام لو اور پوری زندگی اس کے مطابق گذار دو، اس صورت میں تم بے شمار مسائل سے خلاصی پا جاؤ گے تمھارا وجود ایک دوسرے کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوگا اور تمھاری انفرادی زندگی بھی آئینہ کی مانند صاف و شفاف ہوگی اور تمھاری اجتماعی زندگی تمام عیبوں اور برائیوں سے پاک ہو جائے گی۔ نہ تمھیں عارضی تعیشات کے حصول کے لئے رات دن کا سکون برباد کرنا پڑے گا اور نہ تمھیں بے شمار خواہشات کے پیچھے بھاگنا پڑے گا، جو مزا تمھیں سادہ زندگی میں آئے گا وہ مزا پر تکلف زندگی میں نہ آئے گا، جو مزا تمھیں دوسروں کی مدد کرنے میں آئے گا وہ مزا خطیر رقم کو صرف کر کے اپنی ذات پر خرچ کرنے میں نہ آئے گا، جو مزا تمھیں عاجزی و انکساری کے ساتھ بات کرنے میں آئے گا وہ مزا تمھیں سینہ پھلا کر بات کرنے میں نہ آئے گا، جو مزا تمھیں سچ بولتے ہوئے آئے گا وہ مزا جھوٹ بولتے ہوئے نہ آئے گا، جو مزا مساوات و انصاف قائم کرنے میں آئے گا وہ مزا ظلم و جبر اور زیادتی و ناانصافی میں نہ آئے گا، ایسے ہی جو دلچسپی تمھیں اپنے اعمال کو درست کرنے میں ہوگی وہ دوسروں پر نقد کرنے پر نہ ہوگی۔

ایسے بہترین دین و خدائی نظام کو جس پر چل کر انسانی زندگی میں انقلاب برپا ہو جائے، پوری دنیائے انسانیت کے سامنے جانا مسلم امہ کی ذمہ داری ہے، اس لئے بھی کہ قرآن و حدیث اور دینی تعلیمات کا گراں قدر سرمایہ اس کے پاس ہے، اور اس لئے بھی کہ اسے اس بات کی ذمہ داری عطا کی گئی ہے کہ وہ بہترین امت ہونے کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیگر تمام انسانوں کے لئے بہترین ثابت ہو اور انھیں اچھائیوں کی طرف بلائے اور برائیوں سے روکے، اللہ تعالی خود ارشاد فرماتا ہے: تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے لئے وجود میں لائی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر کامل ایمان رکھتے ہو (آل عمران: 110) اس آیت سے دو باتیں صاف طور پر معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ امت مسلمہ دیگر قوموں اور جماعتوں میں بہترین امت ہے اور اسے امتیازی خوبیوں سے نوازا گیا ہے، دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسے نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ سارے انسانوں کے لئے لایا گیا ہے، اور قیامت تک آنے والے ہر دور میں اسے انسانوں کی صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرنی ہے، اور دنیا میں جو تباہی رونما ہو رہی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی قومیں اسلام کی روشنی سے دور ہیں، اور اپنی عقل کے مطابق ان کے جی میں جو آ رہا ہے کر رہی ہیں۔

یہاں ذرا رک کر موجودہ دور کے مسلمانوں کو دو اعتبار سے اپنا بھی محاسبہ کر لینا چاہئے، کہ کیا واقعی وہ مذکورہ آیت کے مطابق اپنی ذمہ داری نبھا رہے ہیں؟ اور کیا وہ خود بھی اس دین و راستہ کو کما حقہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں؟ اس کو دوسروں تک پہنچانا ان کی ذمہ داری ہے، سچائی یہ ہے کہ دونوں ہی اعتبار سے امت مسلمہ کے افراد غفلت کے شکار نظر آ رہے ہیں، اگرچہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ کے بعض بندے دین کی روشنی کو پھیلانے اور دینی نظام کی خوبیوں کو دوسروں کے سامنے بیان کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں لیکن ان کی تعداد کم ہے، جب کہ یہ پوری امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے، حیرت تو اس وقت ہوتی ہے جب خود زیادہ تر مسلمان عملی طور پر انتہائی کمزور نظر آتے ہیں اور ان کی زندگی دین کے مطابق دکھائی نہیں دیتی، بلکہ جس طرح دیگر قوموں کے افراد اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں، بہت سے مسلمان بھی اسی مادیت کے پرفریب راستوں میں بھٹکے ہوئے نظر آ رہے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ اپنے مقام کو پہچانے اور فکری و عملی طور پر پوری طرح سے دین اسلام کے نظام و تعلیمات کو اپنی زندگی میں بسائے، پھر اپنی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے بقیہ تمام انسانوں کو اس کی دعوت دے، تا کہ ان کی زندگی مصائب و مسائل سے خلاصی پا جائے، اور وہ تباہی سے محفوظ ہو جائیں۔ اللہ رب العزت نے انسانوں کو بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے اور انھیں نیابت کا حق دار بھی ٹھہرایا ہے جس کی بنیاد پر وہ غور و فکر کی صلاحیت رکھتے ہیں، دنیا میں آگے بڑھنے کے طریقے جانتے ہیں، یہاں تک کہ ضروریات زندگی سے متعلق بہت ساری اشیاء کو فراہم کرنے اور مصنوعات تیار کرنے کے متحمل بھی ہو سکتے ہیں، وہ زمین کے فاصلے تیزی کے ساتھ طے کرنے کے لئے ریلوں اور ہوائی جہاز جیسی برق رفتار چیزوں کی ایجاد کر سکتے ہیں، اور کھوج بین کرتے ہوئے چاند اور دیگر سیاروں پر بھی پہنچ سکتے ہیں، لیکن ان تمام صلاحیتوں کے ساتھ باری تعالی نے ان کے اندر بھول اور نسیان کی صفت بھی رکھی ہے جس کے سبب وہ بہت سی چیزوں و باتوں کو بھول جاتے ہیں اور زندگی میں بار بار غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اس طرح بنی نوع انسان کو بہت سے علوم سے متصف کرنے کے باوجود اس کی معلومات کو محدود رکھا گیا ہے، ماضی میں کیا ہوا ہے، نہ کسی انسان کو اس کا پورا علم ہے اور مستقبل میں کیا ہونے ولا ہے، نہ ہی اسے اس کا یقینی علم ہے، یہاں تک کہ انسان اپنے ہی زمانے کے بہت سے لوگوں کے احوال و کوائف کے بارے میں بھی نہیں جانتا اور بہت سے لوگوں کے مزاج سے بھی اسے کما حقہ واقفیت نہیں ہوتی، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کسی بھی انسان کا پورا نوع انسان کے لئے بنایا ہوا قانون یا نظام درست نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ فلاسفر یا ماہرین جنھوں نے اپنی عقل و معلومات کی بنیاد پر انسانی زندگی کے لئے مختلف نظام اور قانون تیار کئے اور عوام الناس نے ان کو اپنے حق میں بہتر سمجھ کر اپنی زندگی میں نافذ کیا، وہ راستہ سے بھٹک گئے اس حالت میں وہ اپنی منزل مقصود تک کیا پہنچتے، خود ان کی زندگی الجھنوں کی شکار ہو کر رہ گئی، ڈارون، فرائڈ، ڈرکائم، کارل مارکس کے وضع کردہ انسانی زندگی سے متعلق نظام حیات اور نظریات نے نوع انسان کو صحیح راستہ سے بھٹکا دیا اور آج ان کے نقصانات بڑی تباہی کی شکل میں ظاہر ہو رہے ہیں۔

دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے!!

مولانا محمد فرمان ندوی

انسان اس کائنات میں اللہ کی ایک عظیم مخلوق ہے، خلاق ازل نے اسے بے شمار خوبیوں کا مجموعہ بنایا اور خلافت ارضی کے منصب سے سرفراز فرمایا، اور علم ہی کو اس کا ذریعہ بنایا ہے، علم انسان کا زیور ہے، بلکہ اس کی سب سے بڑی ضرورت ہے، علم کے ذریعہ آسمان و زمین کا رشتہ قائم ہوا، اور انسان نے کائنات کو تابع کرنے کا فن سیکھا، علم بحر ناپیدا کنار ہے، لیکن بنیادی علم وہ ہے، جس سے اللہ کی معرفت وابستہ ہے: توحید و رسالت، آخرت، علم کی وہ اساس ہیں، جن سے علوم کی شجر طوبیٰ نکلتی ہے۔ بنیادی تعلیم کی مثال غذا کی طرح ہے، جس طرح غذا کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح عقیدہ توحید کے بغیر اس کا روحانی وجود نامکمل ہے، یہ تعلیم مکتب کے ذریعہ بآسانی عام ہو رہی ہے، موجودہ دور میں مکاتب کا وسیع پیمانہ پر تسلسل امید افزا امر ہے، جس سے نئی نسل کے ایمان کی حفاظت ہو رہی ہے، آج سے تقریباً 57 سال پہلے نئی نسل کے ایمان و عقیدہ کے تحفظ کی ایک منصوبہ بند کوشش قاضی محمد عدیل عباسی کے ذریعہ ہوئی تھی، اس کی سرپرستی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے تاحیات کی، جس کے اچھے نتائج سامنے آئے، اور نئی نسل کی بنیادی تعلیم کا نظام ''دینی تعلیمی کونسل'' کی شکل میں وجود میں آیا، ضرورت ہے کہ شہر شہر، قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں، قریہ قریہ اس نظام کو عام کیا جائے، بحمد اللہ اس کوشش کا اثر یہ ہوا کہ اسی کام کو دوسرے حضرات نے مختلف عنوانات سے شروع کیا، اور آج بھی مسجدوں اور مکتبوں میں یہ کام بحسن و خوبی انجام پا رہا ہے، اللھم زد فزد.

تعلیم کی افادیت اور اثر انگیزی ہر زمانہ میں تسلیم شدہ رہی ہے، ذہن سازی نسل نو کی تشکیل اور افکار کی ترسیل و اشاعت جس سے وہ فاتح قوم کی حیثیت سے آگے بڑھ رہا ہے۔ لارڈ میکالے نے ایک تعلیمی نظام بنایا تھا، جس کا حاصل یہ تھا کہ جسم مشرقی ہو، لیکن ذہن مغربی، اس کے بالمقابل ہمارے اسلاف نے کتاب و سنت کی روشنی میں ایک جامع نظام تعلیم بنایا، اس کا ثمرہ یہ تھا کہ جسم مشرقی اور ذہن اسلامی اور مذہبی، اس طرح اسلاف کا نظام تعلیم انسان کو اس کی انسانیت پر لانے سے عبارت ہے، یہ نظام تعلیم دینی مدارس انسانیت پر لانے سے عبارت ہے، یہ نظام تعلیم دینی مدارس میں رائج ہے، کیوں کہ وہ انسان کو اللہ سے وابستہ کرتا ہے، مقصد تخلیق سے جوڑتا ہے، اس طرح مدارس کا وجود انسان کی بنیادی ضرورت کی تکمیل ہے، جس طرح فرد کی خودکشی ہوتی ہے، اسی طرح جماعت کی خودکشی ہوتی ہے، اور جس طرح جسمانی موت ہوتی ہے، اسی طرح روحانی موت ہوتی ہے، اور یہ روحانی موت انسان کا اپنے مالک حقیقی کو بھول جانا ہے، ایمان کی اہمیت و عظمت کا اندازہ حضرت موسیٰ اور خضر کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایک بچہ کو والدین کے ایمان کے لئے فتنہ بننے کی وجہ سے مار ڈالا، ظاہر ہے کہ ایسا عمل ہمارے لئے جائز نہیں، لیکن قرآن میں اس کے ذکر کا مقصد ایمان کی اہمیت و عظمت کو دلوں میں پیوست کرنا ہے، اور دوسری طرف والدین کے ایمان کی برکت یہ ہوئی کہ ضائع ہونے والا خزانہ بچا لیا گیا، اور گرتی دیوار کی مرمت کی گئی۔ انسان کا کمال یہ نہیں کہ وہ سمندروں میں سفر کرے، فضاؤں میں اڑے، نئی نئی ایجادات پیش کرے، بلکہ اس کا امتیاز اس میں ہے کہ وہ اپنی انسانیت کو باقی رکھتے ہوئے اللہ کے حکموں کے مطابق زندگی گزارے، اگر یہ بنیادی سبق اس کی زندگی کا جزو اعظم ہے تو اس کی ترقیات، ایجادات، نئی دنیا کے برق و بخارات اس کے لئے باعث رحمت ہیں، اسی کو قرآن مجید نے اقرأ باسم ربک الذی خلق سے تعبیر کیا ہے، رب کے نام سے پڑھنے کی تاثیر یہ ہوتی ہے کہ دنیا و آخرت میں انسان کامیاب و بامراد ہوتا ہے۔

اس وقت دنیا کے شر و فساد کا اہم سبب علم کو بنیادی علم سے منقطع کر کے حاصل کرنا ہے، اور جب تک یہ سلسلہ قائم رہے گا، فتنہ و فساد میں اضافہ ہوتا رہے گا، صحیح راستہ یہ ہے کہ خلافت ارضی کے مشن کو علم الہی کی روشنی میں جاری رکھا جائے، ظاہر ہے کہ مسجدوں و مدرسوں اور مکاتب کے نظام میں اس کی پوری صلاحیت موجود ہے، اس لئے مکاتب کا قیام، ان کا تعاون، ان کی ضروریات کی تکمیل بے صرف قومی ضرورت نہیں، بلکہ مذہبی اور ایمانی تقاضہ ہے، یا ایها الذین آمنوا قوا أنفسکم و أهلیکم ناراً (اے ایمان والو! اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ)۔ ایمان کی تکمیل مسجد، مدرسہ، مکتب اور اچھے ماحول سے ہوگی۔ ان شاء اللہ

Scanned with CamScanner

ملک کو یکساں سول کوڈ کی کوئی ضرورت نہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانۂ مبارکہ میں تمام صحابہ کرام کو عملاً احکامِ اسلامی کا پابند رکھا، خلفاء راشدین نے اپنے اپنے عہدِ خلافت میں مسلمانوں پر اسلامی قوانین کو نافذ کیا اور اس کے لئے تشریح وتبیین کی مجالس قائم کیں، پھر عہد تابعین میں تو باقاعدہ طور پر فقہ اسلامی کی تدوین کا عظیم کارنامہ انجام پایا، بہت سے سلاطین نے انہیں نافذ کرنے کا شرف حاصل کیا، بلکہ سلاطین نے دلچسپی لی ہو یا نہ لی ہو، تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے علی العموم اس کی پابندی کا اہتمام کیا اور اس میں نجات سمجھی، یہاں تک کہ غیر مسلم ممالک میں بھی۔۔۔ جہاں وہ نہایت ہی محدود تعداد اور مغلوب حالت میں ہوا کرتے تھے۔۔۔ اپنے مسائل ومعاملات میں دینی احکام کی خلاف ورزی اور اسلامی تعلیمات سے عدول گوارا نہیں کیا، کیوں کہ قرآن نے جب اس کے بغیر ایمان ہی کو رد کردیا تو وہ اس کی مخالفت کی جرأت کیسے کر سکتے تھے؟ چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب ''ہزار سال پہلے'' میں معتبر سیاحوں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ہندوستانی رجواڑوں میں جہاں کچھ مسلمان آباد تھے باوجود یہ کہ وہ معدودے چند ہوتے مگر راجاؤں نے ان کے قضایا اور نزاعات کے اسلامی حل کے لئے کسی واقف، احکام مسلمان ہی کو متعین کیا ہوا تھا، یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے ہر زمانے اور ہر علاقے میں حکمرانوں اور حکم رانی کے احترام کے باوجود اپنے دین اور پرسنل لا کے معاملے میں کوئی سمجھوتہ قبول نہیں کیا، اور منصف مزاج ودانش مند حکمرانوں نے بھی مسلمانوں کے اس معقول جذبے کا پورا احترام کیا۔

پھر جب اسلامی فتوحات عالم کے طول وعرض میں پھیلتی چلی گئیں، ہندوستان کے مختلف خطے اور بالآخر پورا ہندوستان مسلمانوں کے زیر نگیں ہوگیا تو اسلامی ہند کے ادوار میں بھی مسلم حکمرانوں نے جہاں ملک کے تمام اہل مذاہب کو ان کے مذہب وتہذیب پر قائم رہنے کی آزادی دی، وہیں مسلمانوں کے لئے دار القضاء اور شرعی فیصلوں کا مکمل انتظام کیا، تا آں کہ مسلمان اپنے مذہب کی بنیادی ہدایت کے مطابق مذہبی امور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں طئے کر سکیں اور نزاع واختلاف کا حل فقہ اسلامی کے مطابق نکل آئے۔

مسلمانوں کے چھ سو سالہ اقتدار کا خاتمہ انگریزی تغلب وتسلط کی صورت میں جب ظاہر ہوا تب بھی مسلمانوں نے اپنے کو دینی مسائل اور مذہبی احکام کا پابند رکھنا ہی پسند کیا، درانحالیکہ انگریزوں کی شاطرانہ ومکارانہ پالیسیوں نے ملک میں کرسچن ازم کو غالب کرنے اور اہل ملک کو عیسائی مذہب کا تابع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی، علماء کرام اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور غیرت مند مسلمان اُن کی مساعی اور مقابلوں کا ساتھ دیتے رہے۔ چنانچہ انگریزوں نے جب دار القضاء کو ختم کر کے اُن کے معاملات کو عام عدالتوں کے تابع کردیا تب بھی مسلمانوں کے حق میں شرعی قوانین کے مطابق فیصلوں کی مراعات برقرار رہیں، تاہم رفتہ رفتہ مسلم پرسنل لا کا دائرہ محدود کیا جاتا رہا تعبیرات بھی تبدیل ہوتی رہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

اہل اسلام کی بڑی قربانیوں اور بے مثال استقامت کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ غیر ملکی فرنگیوں کو ہندوستان سے بے دخل ہونے اور اپنے وطن لوٹ جانے پر سوچنا پڑا، ان کا دوصد سالہ سیاہ اقتدار بلکہ استبداد بوریا بستر لپیٹ کر اور اپنا منہ لے کر واپس ہوگیا، ساتھ ہی ہندوستانی مسلمان دو نظریوں اور دو ملکوں میں تقسیم ہو گئے، انہوں نے اس دین اسلام کے تحفظ اور احکام شریعت کے نفاذ کی امید پر کی، جنہوں نے ہندوستان میں رہنے اور ترک وطن نہ کرنے کا عزم مصمم کیا تو انہوں نے اس اُمید پر کیا کہ ان کی اپنے اقدار وآثار اور احکام سے وابستگی کسی قیمت پر ختم نہیں کی جائے گی، وہ اپنے وطن میں اپنے دین پر چلنے کے لئے آزاد ہوں گے اور کوئی حکومت انہیں اپنے پرسنل لا سے دست برداری کے لئے مجبور نہیں کرے گی، جب کہ اس وقت کے قدر آور سیاسی قائدین نے بھی اس کا تیقن دیا تھا۔

ملک کی آزادی کے بعد دستور ہند کی تیاری ہوئی، بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ دستور دنیا کا سب سے مفصل اور مکمل قانون نامہ ہے، خصوصاً بنیادی حقوق۔۔۔ جن میں ہندوستانی اقوام کی تعدد اور مذہبی وتہذیبی تنوع کو قوانین کی تدوین میں حتی المقدور ملحوظ رکھا گیا۔ واقعی قابل تعریف ہیں، دستور ہند کی دفعات 25، 126 اور 29 نے مذہبی، لسانی، تہذیبی اور تعلیمی وتبلیغی حتی کہ زبان کے رسم الخط کی آزادی عطا کرتے ہوئے انہیں ملک کے شہریوں کا بنیادی حق قرار دیا ہے، ان بنیادی حقوق کے حاصل ہونے سے تمام اہل مذاہب مسرور مطمئن ہوئے۔ دستور ہند میں ایک حصہ ایسا بھی ہے جو معماران دستور کی جانب سے مملکت ہند کے حکم رانوں کی فکری راہنمائی پر مشتمل ہے، جس کے بارے میں صراحت کی گئی ہے کہ'' یہ مملکت کی حکمت عملی کے لئے ہدایتی اصول'' ہیں، اور جن کو'' کوئی عدالت نافذ نہ کر سکے گی مگر وہ ملک کی حکم رانی کے لئے بنیادی'' حیثیت کی حامل اور مملکت کے فرائض میں داخل ہیں، یہ ہدایتی اصول یا راہنمایانہ خطوط دستور ہند کی دفعہ 36 تا 51 پر مشتمل ہیں، ان میں سے بیشتر تاہنوز عمل میں نہیں آسکے ہیں، مثلاً دفعہ 45 کے تحت کی گئی سفارش کہ '' مملکت اس آئین کے تاریخ نفاذ سے دس سال کی مدت کے اندر سب بچوں کو چودہ سال کی عمر پوری کرنے تک مفت اور لازمی تعلیم دینے کی توضیح کرنے کی کوشش کرے''، جب کہ دس برس میں تو کیا آج 7 دہائیاں گذر جانے کے بعد بھی مملکت اس ہدایت کی تکمیل میں ناکام ہے، دستور کی اسی دفعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے سہ لسانی ایڈیشن کے مرتب نے تحریر کیا ہے: ''اگر چہ انی کشنن والے معاملے میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے تحت بچوں کو چودہ سال تک مفت اور لازمی تعلیم کے دینے کی بات کو بنیادی حق کا درجہ حاصل ہوگیا......اس کے باوجود آج بھی ہمارے ملک کے بچوں کی اچھی خاصی تعداد تعلیم سے محروم ہے اور پانچ سے چودہ سال کے گروپ میں کم از کم 50 فی صد بچے اسکول نہیں جاتے''۔ (بھارت کا آئین سہ لسانی ایڈیشن، ص 226 مطبوعہ 2014) اسی طرح دفعہ 47 میں غذائیت کی سطح اور معیار زندگی بلند کرنے سے متعلق ہدایت میں کہا گیا: ''اور خاص طور سے مملکت اس بات کی کوشش کرے گی کہ طبی اغراض کے سوا نشہ آور مشروبات اور مضر صحت مفرد ادویہ کے استعمال کی ممانعت کرے'' کیا ملک میں ہر قسم کی شرابوں اور ڈرگس پر قابو پالیا گیا ہے یا دن بہ دن نوجوان اس لعنت میں مبتلا ہوتے چلے جارہے ہیں اور اس کی نحوست سے چند در چند بُرائیاں اور بیماریاں وجود میں آرہی ہیں اور سماج کو تباہ کر کے رکھ رہی ہیں؟

اسی طرح تمام افراد اور علاقوں کے درمیان آمدنی کے عدم توازن کو اور حیثیتوں سہولتوں اور مواقع کے عدم توازن کو دور کرنے والی ہدایت (35-2) پر عمل درآمد کا معاملہ ہے، نیز تمام طبقات کے لئے قانونی امداد اور حصول انصاف کو اس قدر مفت اور سہل بنانا کہ ملک کے کسی شہری کو محرومی کا احساس نہ ہو (39 الف) وغیرہ کو اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ مملکت ابھی تک ان میں سے بیشتر ہدایات پر یا تو قابو نہیں پاسکی یا کما حقہ عمل درآمد نہ کرسکی، وجوہات اس کی جو بھی ہوں۔ تاہم ان ہدایات میں سے حکومتوں اور عدالتوں کو سب سے زیادہ فکر جس ہدایت کی ہے وہ دفعہ 44 ہے، یعنی کامن سول کوڈ کی دفعہ '' مملکت یہ کوشش کرے گی کہ بھارت کے پورے علاقہ میں شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ کی ضمانت ہو''

رہ رہ کر یہ مسئلہ کسی نہ کسی گوشے سے اٹھایا جاتا ہے اور اس کا سب سے زیادہ مستحق مسلمانوں کو سمجھا جاتا ہے، کہا یہ جارہا ہے کہ مسلم پرسنل لا کی وجہ سے مسلمانوں بالخصوص ان کی عورتوں کے ساتھ بڑی ناانصافی ہورہی ہے، اس لئے جلد از جلد دفعہ 44 کی ہدایت پر عمل کے لئے قانون کی توضیع ہونا چاہئے اور ملک میں یکساں شہری قانون نافذ کردیا جانا چاہئے۔ مگر اس مطالبے کو بار بار دہرانے والوں نے کیا کبھی اس پر غور کیا کہ ایسے کسی اقدام سے جب ملک کی تمام اقوام متاثر ہوں گی اور اُن کے پرسنل لاز اور تہذیبی شناختیں ختم ہوں گی، ان کی مذہبی وتہذیبی آزادی کا بنیادی حق سلب ہوگا تو یہ منصوبہ اقوام ملک کے لئے قابل قبول ہوگا بھی یا نہیں؟ جب ہدایتی اصول اور بنیادی حقوق میں تصادم ہو تو یہ مطالبہ کیوں کر ممکن العمل ہوگا؟ کیوں کہ خود دستورِ ہند میں شہریوں کو عطا کردہ ''بنیادی حقوق'' کی دفعہ 25 پرسنل لاز کو تحفظ دے رہی ہیں تو ان کی موجودگی میں ''ہدایتی اصول'' کی دفعہ 44 پر عمل کیسے کیا جاسکتا ہے؟ میزو اور ناگا قوم جنہیں دستوری ترمیم کے ذریعے خصوصی رعایت حاصل ہے کیا اب وہ اپنے استثنائی موقف سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوجائیں گی؟ یہ مسئلہ اٹھانے والوں اور حکمرانوں کو معماران دستور کے سفارش کردہ تقریباً تمیں ہدایات میں سے اسی ایک ہدایت کو روبہ عمل لانے کی سب سے زیادہ فکر کیوں ہے؟ کیا مسلم خواتین کے ساتھ ہونے والی سماجی ومعاشرتی زیادتیوں کا صرف یہی ایک حل ہے کہ انہیں ان کے مذہب کی پابندی سے نکال لیا جائے؟

ہمارا تجربہ اور جائزہ تو یہ بتلاتا ہے کہ مذہبی احکام کی پابندی اور اسلامی قوانین کی حکمت عملی نے ہی انہیں بہت حد تک سماجی مسائل اور عائلی مظالم سے محفوظ رکھا ہے، اس سے آزادی کے بعد وہ حیوانیت کی اسفل سے اسفل سطح پر تو اتر سکتی ہیں مگر انسانیت کے احترام کو بھی نہیں پاسکتیں، یورپ کی صورت حال ہمارے اس خیال کی روشن دلیل ہے، علاوہ ازیں مسلم خواتین کی مظلومیت پر ترس کھانے والوں کو دیکھا یہ جارہا ہے کہ ان کے کسی اور مسئلے سے کوئی خاص دل دلچسپی نہیں ہے، اس مسئلے میں آگے آگے آتے اور ہمدردی جتاتے ہیں، جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ مسئلہ مظلوم خواتین کا نہیں ہے، بلکہ مسئلہ صرف پرسنل لاز کو ختم کردینے کا ہے جو نام نہاد ترقی واتحاد کے دعویداروں کی آنکھ کا سب سے بڑا کانٹا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس مطالبے کا اصل سبب یک جہتی واتحاد کو فروغ دینا ہے تو وہ اس لئے باطل ہے کہ ملک میں جب مسلم پرسنل لا کا دائرہ اس سے بھی زیادہ وسیع تھا اور مسلمان آج سے بھی زیادہ راسخ الاعتقاد تھے تب آج کے مقابلے میں یکجہتی و بھائی چارگی کہیں زیادہ پائی جاتی تھی، اتحاد ویکجہتی کے لئے کامن سول کوڈ کے بجائے وسعت ظرفی اور تحمل مزاجی کی ضرورت ہے، بدگمانیوں کو ختم کرنے اور سماجی ومعاشرتی رابطوں کو جوڑنے اور دوریوں کو حق گوئی کے ذریعے ختم کرنے کی ضرورت ہے، یکساں سول کوڈ کا اس میں کوئی رول نہیں ہوسکتا! کیا امریکن اقوام ہر اسٹیٹ کا قانون علاحدہ ہونے کے باوجود متحد ہیں؟ اور کیا دنیا کی دو بڑی جنگیں دونوں فریقوں کا ایک ہی مذہب اور ایک ہی قانون ہونے کے باوجود وجود میں نہیں آئیں۔ اس لئے ہمارا ماننا یہ ہے کہ انصاف اور تدبر کی روشنی میں دیکھا جائے تو اہل ملک کو یکساں سول کوڈ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ضرورت اقوام کے درمیان پیدا کردہ دوریوں کو ختم کرنے اور غلط فہمیوں کی دیوار عالی ظرفی وبلند نگاہی کے ذریعے گرادینے کی ہے!

یہ کس قدر افسوسناک حقیقت ہے کہ مذہبی تعلیم سے دوری اور اسلامی تعلیمات سے بے خبری نے یکساں سول کوڈ کے ہر مطالبے کے پیچھے کسی مسلمان ہی کو کھڑا کیا ہے۔ ایک سے زائد شادیوں پر پابندی کے مطالبے سے لے کر شاہ بانو کیس تک اور اب سپریم کورٹ میں جاری مقدمے میں بھی مسلمان ہی اسلامی احکام اور مسلم پرسنل لا کے محاذی ومخالف دکھائی دیتے ہیں، جب بھی کوئی واقعہ طلاق نفقہ، تعدد ازواج وغیرہ سے متعلق سامنے آتا ہے حکومت اور عدالت کو'' کامن سول کوڈ'' کی دستوری ہدایت یاد آہی جاتی ہے، میڈیا کو بھی ان موضوعات پر تبصرے مباحثے اور مناظرے کرانے میں خوب مزہ آتا ہے؛ یہ پھر بھی کچھ تعجب کی بات نہیں کہ بے چارے مسلم پرسنل لا کی حقیقت وحکمت سے بے خبر ہیں تعجب تو اس پر ہے کہ ہر ایسے موقع پر علم دین اور اصول اسلام یعنی مقاصد شریعت ومصالح فقہیہ سے بالکل کورے نام نہاد تعلیم یافتہ لوگ اظہار خیال اور اعلان آراء کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور حدیث کے مطابق اعجاب کل ذی رأی برأیه کے مصداق بن کر منظر عام پر آجاتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اشکالات واعتراضات کا حل سنجیدہ ماحول میں تبادلہ خیال سے ہوا کرتا ہے جذباتی رو سے نہیں ہوتا، اس لئے ہر کسی بات کو براہ کرم مسلمانوں کی ضد ومخالفت سے تعبیر نہ کریں علماء اسلام سے رجوع کر کے دیکھیں، ماضی میں ملک کا ماحول ایسا ہی تھا، اہل مذاہب کے درمیان تال میل، حسن ظن اور شیریں تعلقات کی وجہ سے وہ آپس میں بلا تکلف ان باتوں پر تبادلہ خیال کرلیا کرتے تھے اور اسی وجہ سے اپنے اپنے مذاہب اور تہذیبوں پر عمل درآمد کرتے ہوئے بھی باہم شیر وشکر تھے، مذاہب اور تہذیبوں کا اختلاف باہمی یکجہتی و بھائی چارگی اور امن عام کے متاثر ہونے کے سبب کبھی نہیں بنا، مگر جب سے بدگمانیوں، غلط فہمیوں اور دوریوں کا ماحول بعض مخصوص نظریات کے حاملوں کی طرف سے بنایا جارہا ہے تب سے اقوام ہند کی بے مثال ولازوال یکجہتی دم توڑ رہی ہے اور فرقہ واریت کا عفریت مضبوط ہوتا جارہا ہے جو اس ملک کے لئے ہر نقصان سے بڑا نقصان اور ہر خطرے سے بڑا خطرہ ہے، خدا کرے کہ ہر فرقے کے سنجیدہ افراد اس عفریت کے مقابلے اور خاتمے کے لئے کھڑے ہوجائیں۔ (بشکریہ ماہنامہ اشرف الجرائد، حیدرآباد)

Scanned with CamScanner

موجودہ حالات اور علماء کرام کی ذمہ داری

مولانا محمد شاہ نواز ندوی

تاریخ کی ورق گردانی کرنے والا شخص اگر چھٹی صدی مسیحی اور اکیسویں صدی عیسوی کے احوال واکناف پر ایک طائرانہ نظر ڈالے تو اس کو دونوں میں مماثلت نظر آئے گی، چھٹی صدی مسیحی میں انسانیت پر نزع کا عالم طاری تھا، وہ انسانیت سے عاری اعمال کا بے دھڑک ارتکاب کرتی تھی اور اپنی شقاوت و بدبختی کے اس درجہ پہنچ چکی تھی جس کی کوئی انتہا نہ تھی حالات اس قدر خراب ہو چکے تھے کہ اس سے چاند بھی شرما رہا تھا اور ستارے بھی پنا منہ چھپا رہے تھے اور زبان حال سے یوں گویا ہو رہے تھے کہ اب اس کائنات کا صفایا کر دیا جائے اور پورے عالم ارضی کو ملیامیٹ کر دیا جائے، لیکن اللہ نے اپنے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر اس سسکتی دم توڑتی انسانیت کو بچالیا، زمانہ نبوت کے بعد، افراد صالحین، اصحاب اخلاص واصحاب دعوت کی قلت کے باعث پھر نوع انسانی ان ہی ظلمتوں وتاریکیوں میں بھٹک کر رہ گئی ہے جنکے اندر وہ بعثت نبوی سے قبل دم توڑ رہی تھی، انبیاء کرام کی بعثت کا سلسلہ اللہ عزوجل نے قیامت تک کے لئے بند فرما دیا ہے اور دین اسلام کو مکمل کر دیا ہے، اسلام کے بعد اب نہ کوئی نیا دین آئے گا اور نہ کوئی نبی آئے، عیسیٰ ومہدی آئیں گے لیکن نبی بن کر نہیں بلکہ امت محمدیہ کے ایک فرد کی حیثیت سے آئیں گے۔

خوش قسمت ہیں علماء کرام اور سعادت مند ہیں طالبان علوم نبوت کہ وہی نازک ذمہ داری جو انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام پر تھی (اور جس کی وجہ سے دنیا میں تشریف لاتے تھے اور اپنی محنت وجانفشانی دنیا کی تاریکیوں کا سدباب کرتے تھے) ان کے ناتواں کندھوں پر ہے۔

کتنی سرکش قومیں آئیں اور ختم ہو گئیں، کیسے کیسے ارض وفلک نے رنگ وبو دیکھے کتنی تاریکیاں آئیں اور چھٹ گئیں، مظالم کی ہوائیں چلیں اور سرد پڑ گئیں، عداوت وطغیانی کے بادل گرجے اور برستے رہ گئے، ہر ظلمت کو نور نبوت نے پاش پاش کر دیا شرک وبدعت کے اڈوں کا بے دریغ قلع قمع کر دیا۔

آج بھی تاریکیاں آ رہی ہیں باطل اپنے جال بچھا رہا ہے اور اضطراب وپریشانی سے نڈھال انسانیت کو شکار کرنے کے درپے ہو رہا ہے، ایسے موقع پر علماء کرام کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ باطل کا چیلنج قبول کریں اور اس کا منہ توڑ جواب دیں کہ جب بھی باطل اپنا سر اٹھائے وہ حق سے ٹکرا کر ریزہ ہو جائے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپنا وجود ہی کھو بیٹھے۔

حق وباطل ہمیشہ برسرپیکار اور پنجہ آزما رہے ہیں یہ سلسلہ ماضی میں تھا حال میں بھی ہے اور مستقبل میں رہے گا، لیکن علماء کرام حالات سے ناامید نہ ہوں۔ بلکہ ہمت وحوصلہ سے کام لیں اور علوم شریعت قرآن وحدیث وفقہ میں گہرائی پیدا کریں اور اس کے مطابق باطل کے چیلنجوں کا مقابلہ کریں ان کی یہ بھی ذمہ دار ہے کہ وہ ایسے عالم باعمل بنیں کہ ان کو دیکھ کر خدا کی یاد تازہ ہو جائے ان کی زیارت سے لوگوں کی زندگیاں بدل جائیں، جس علاقہ سے ان کا گذر ہو وہاں کی فضا نورانی ہو جائے اور انسانیت کے خشک سوتوں میں آبیاری ہو جائے، ان کے گھر کا ایسا نورانی وروحانی علمی ماحول ہو کہ کوئی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ جانے پائے، ان کے اہل وعیال علوم نبوت سے آراستہ ہوئے بغیر نہ رہنے پائیں، ان کے قرب وجوار ان کے علاقہ وبستی میں کوئی فتنہ برپا نہ ہو پائے، ظلم وزیادتی بغض وحسد نفرت وکینہ، عداوت ودشمنی جیسی خطرناک بیماریوں سے برسرپیکار ہوں اور ہر وہ کوشش وجد وجہد جو راہ اسلام سے ہٹانے اور کفر سے قریب کرنے کے لئے سامنے آئے، ان سب کی تئیں وارثین انبیاء کرام پر یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ نیک عزائم خلوص دل وخلوص نیت کے ساتھ میدان عمل میں اتر آئیں۔ اللہ عزوجل کی طرف سے نصرت وفتح کا دل کی گہرائیوں سے یقین رکھیں کیا بعید ہے کہ پھر ایمان کی باد بہاری چلے گی اور ہم اطمینان وسکون کی سانسیں لیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ علماء کرام کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلائے اور ذمہ داری کی ادائیگی کی خاطر ان کے لئے ماحول سازگار فرمائے۔ ان کے راستہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو محض اپنے فضل سے دور فرمائے اور اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے راہیں ہموار فرمائے۔

بقیہ صفحہ اول

قوانین کے کارآمد یا بیکار ہونے کا معیار صرف یہ ہے کہ وہ معاشرہ کو اطمینان بخش بنیادوں پر زندہ رکھنے اور ترقی دینے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں؟ عائلی قوانین جن سے یہاں بحث ہے، کو اسی اصول پر پرکھنا چاہیئے یونیفارم سول کوڈ کی بنیاد ظاہر ہے کہ مغربی قوانین ہی بنیں گے، مغرب میں جو عائلی اور شخصی قوانین نافذ ہیں انہیں کی بنیاد پر ہندو کوڈ' بنا ہے اور یونیفارم سول کوڈ کے خدوخال اس سے زیادہ مختلف نہیں ہونگے، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں جن نئے قوانین کو نافذ کرنے کی جدوجہد کی جا رہی ہے، اس کی تجربہ گاہ موجود ہے، ہمیں ان تجربہ گاہوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ وہ قوانین عائلی زندگی میں اطمینان وسکون کا کس حد تک ذریعہ بنے ہیں؟ یہ ایک طویل اور تقابلی مطالعہ کے لئے نتیجہ خیز موضوع بحث ہے، جس کی ان مختصر صفحات میں گنجائش نہیں ہے؛ لیکن حقائق کی بناء پر اسے ماننا چاہیے کہ مغربی ممالک کی عائلی زندگی کی تیلیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہی ہیں، اور شخصی زندگی کا سکون واعتماد رخصت ہو چکا ہے۔

ان ممالک میں نکاح ایک کھیل ہے اور طلاق تماشہ ہے شرم وحیا، عفت وعصمت جیسے الفاظ کا وجود لغت کے دائرے میں سمٹ چکا ہے، بن باپ کے بچوں، بن بیاہی ماؤں کی لاکھوں مثالیں، معاشرے میں پھیلتی جا رہی ہیں، مادرزاد ننگا رہنا اور ایسے لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا بھی شاید ترقی یافتہ اور طاقتور معاشرہ کا ایک حصہ سمجھا جانے لگا ہے، یہ سب تہذیب جدید کے کرشمے اور مغربی عائلی قوانین کے نفاذ کے عملی نتائج ہیں، اب اگر دانشوروں کے دل سے احساس زیاں رخصت نہیں ہوا ہے، وہ مغرب کی ان خرابیوں کو خرابی سمجھنے کی ہمت اور صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ اگر اس اصول پر ایمان نہیں رکھتے کہ ہر نئی چیز قابل قبول اور ہر پرانی چیز قابل نفرت ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ مذہبی شخصی قوانین کو فرسودہ کہہ کر یونیفارم سول کوڈ کی وکالت کی جائے۔

4۔ ملک کے لئے اتحاد اور قومی یکجہتی بڑی اہم ضرورت ہے اور ہندوستان میں آباد مختلف فرقوں کے درمیان دوستی خیر سگالی اور رواداری کے جذبہ کو فروغ دینا بہترین ملکی خدمت ہے؛ لیکن قومی یک جہتی کو سیاسی استحصال کے لئے استعمال کرنا بدترین قسم کی وطن دشمنی ہے، ہر وہ چیز جو ایک مخصوص قسم کے ذہن رکھنے والوں کو اپیل کرے، وہ سیکولرزم کا تقاضہ اور قومی یکجہتی کا ذریعہ بن جائے اور جو چیز اس ذہن کے خلاف ہو، اسے تعصب، تنگ نظری اور فرقہ پرستی کے خانہ میں رکھ دیا جائے، یہ غلط اور ملک کے مستقبل کے لئے مہلک ہے، قومی یکجہتی اور باہمی رواداری کا یکساں سول کوڈ سے کتنا اور کس طرح کا تعلق ہے؟ اس کا اندازہ اس طرح لگانا چاہئے کہ جن مسائل کا تعلق افراد کی شخصی زندگی سے ہے، ان کی بناء پر آج تک دو فرقوں کے درمیان کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا، ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی یا دوسرے فرقوں کے درمیان نکاح وطلاق، ہبہ ووراثت وغیرہ جیسے مسائل کو لے کر کبھی اختلاف ہوا ہو، اس کی مثال نظر نہیں آتی؛ کیوں کہ یہ معاملات دو فرقوں کے درمیان نہیں ہوا کرتے ایک فرقہ کے دو یا چند افراد کے درمیان ہوتے ہیں اس کے برخلاف دو فرقوں کے درمیان شادی (جو یونیفارم سول کوڈ کی ایک دفعہ بن سکتی ہے) سے بڑے تلخ نتائج سامنے آئے ہیں اور کئی بار شدید ترین فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہوئی ہے، اس لئے واقعات کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہے کہ مختلف فرقوں کے علیحدہ شخصی قوانین قومی یک جہتی اور ملکی اتحاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے!

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کئی ایسے اہم مسائل موجود ہیں جن کی وجہ سے ملکی اتحاد اور سالمیت کو نقصان پہنچا ہے اور مستقبل میں مزید نقصانات کا خطرہ ہے؛ لیکن دوسری مصلحتوں کی وجہ سے ان مسائل اور عوامی مزاج کے درمیان، ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، انہیں ملکی سالمیت کے نام پر ختم نہیں کیا گیا، انہیں مسائل میں سے زبان کا مسئلہ دہکتا ہوا انگارہ ہے، جس نے آسام میں ہلچل پیدا کر دی، بنگال کو ہنگاموں پر اکسایا، اور جنوب وشمال کے درمیان، عداوت ونفرت کی خلیج حائل کر دی، اس خلیج کا اندازہ ماضی کے ہنگاموں سے لگایا جاسکتا ہے اور ہو سکتا ہے مستقبل میں یہی چیز علیحدگی کا ذریعہ بنے؛ لیکن ان تمام واقعات کے باوجود ''زبان کے مسئلہ پر قومی یکجہتی اور ملکی سالمیت واتحاد کی خوش کن آواز سننے میں نہیں آتی، اور اگر آتی ہے تو صرف اس لئے کہ اس ذریعہ سے ہنگاموں کو روکا جاسکے، ایسی صورت میں یونیفارم سول کوڈ کے مخالفین اگر یہ کہتے ہیں کہ قومی یکجہتی اور ملکی اتحاد جیسے الفاظ سیاسی استحصال کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو اسے غلط نہیں کہا جاسکتا، قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے ایک بہترین نسخہ دو فرقوں کے درمیان شادی کو کہا جاتا ہے، مگر ایسا کہتے وقت نہ صرف حال میں ہوئی مختلف شادیوں کے برے نتائج کو فراموش کر دیا جاتا ہے؛ بلکہ یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس شخصیت نے بھی اس نسخہ پر عمل کیا تھا، جسے ہندوستان میں عام طور پر فرقہ پرستی کی علامت ملک کے اتحاد کو ختم کرنے والا اور ملک کی تقسیم کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، مسٹر محمد علی جناح نے ایک پارسی گھرانے میں شادی کی تھی، ان کی شادی اسپیشل میریج ایکٹ کے تحت ہوئی تھی، یہ ایکٹ بھی متوازی قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بنا تھا، جس پر ایک مقبول مسلم رہنما نے عمل کیا، مگر اس عمل سے قومی یکجہتی کو کس درجہ فروغ ملا، اسے سب جانتے ہیں، دراصل زوجین کے درمیان اگر مذہبی، تہذیبی اور لسانی ہم آہنگی نہ ہو تو تجربات شاہد ہیں کہ زیادہ تر شادی ناکام رہتی ہے اور اکثر وبیشتر طلاق تک پہنچ جاتی ہے، ایسی شادی جو زوجین کے درمیان یکجہتی نہیں پیدا کر سکتی، قومی یکجہتی کس طرح پیدا کر سکتی ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ شخصی زندگی کے یہ قوانین، قومی اتحاد اور یکجہتی پر برا اثر نہیں ڈالتے اور یونیفارم سول کوڈ، قومی یکجہتی کا ذریعہ نہیں بن سکتا، قومی انتشار کا ذریعہ بن سکتا ہے، قانون سازی ایسی ہونی چاہیے کہ اس ملک میں آباد تمام مذہبی، تہذیبی اور لسانی اکائی اپنی انفرادیت کو محفوظ سمجھے اور اس قانون کے دائرہ میں رہ کر وہ ملک کے استحکام اور ترقی میں پرسکون، باعمل شہری کی حیثیت سے حصہ لے سکے، قانون سازی کا یہ طریقہ ملک میں یکجہتی کی فضا پیدا کرنے میں معاون ہوگا؛ لیکن اگر مختلف تہذیبی، لسانی یا مذہبی اکائیاں کسی قانون کے ذریعہ اپنی انفرادیت کو مٹتا ہوا محسوس کریں گی تو ان میں رد عمل ہوگا، وہ اس قانون کے خلاف آواز بلند کریں گی۔

قانون سازوں پر ان کا اعتماد باقی نہیں رہے گا اور قومی یکجہتی کو نقصان پہنچے گا۔ مسلمان یہ یقین رکھتے ہیں کہ یونیفارم سول کوڈ ان کی تہذیبی اور سماجی انفرادیت کے خاتمہ کا ذریعہ ہوگا، اس لئے یونیفارم سول کوڈ قومی یکجہتی کا ذریعہ نہیں، قومی انتشار کا وسیلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے؛ مذکورہ بالا امور کے پیش نظر مسلم رہنما، علماء اور اہل علم 'یونیفارم سول کوڈ کے مخالف ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا' مسلمانوں کی شخصی زندگی کے مسائل کے حل کرنے کے لئے مفید راستہ ہے، جس کے نفاذ کے لئے حکومت کو مزید سہولتیں، اور قانونی آسانیاں دینی چاہئیں، مسلم پرسنل لا کو منسوخ کر کے "یونیفارم سول کوڈ کا نفاذ کسی جذبہ کی تسکین کا ذریعہ تو بن سکتا ہے مگر اس تبدیلی سے کوئی مفید کام نہیں انجام پائے گا۔

Scanned with CamScanner

هفتـــۂ رفتـــه

نیشنلسٹ کانگریس پارٹی کے انتخابی نشان کی لڑائی الیکشن کمیشن تک پہنچ گئی

نیشنلسٹ کانگریس پارٹی کے شرد پوار اور اجیت پوار کے دھڑے کے درمیان پارٹی اور انتخابی نشان کو لے کر جاری کشمکش الیکشن کمیشن تک پہنچ گئی ہے اور اجیت پوار نے انتخابی نشان پر دعویٰ کرنے کی درخواست دائر کی ہے۔ اجیت پوار جنہوں نے این سی پی سے علیحدگی اختیار کی اور مہاراشٹر میں بھارتیہ جنتا پارٹی اور شیو سینا ایکناتھ شنڈے دھڑے کی حکومت میں شامل ہوئے، بدھ کو یہاں الیکشن کمیشن میں ایک عرضی دائر کی، جس میں این سی پی کے انتخابی نشان پر اپنا دعویٰ پیش کیا۔

دہلی کی تیس ہزاری عدالت میں وکلاء کے درمیان لڑائی میں ہوائی فائرنگ

دہلی کی تیس ہزاری کورٹ میں وکلاء کی لڑائی کے درمیان ہوائی فائرنگ کی خبر سامنے آئی ہے۔ تاہم فائرنگ سے کوئی زخمی نہیں ہوا اور پولیس اس کی تحقیقات کر رہی ہے۔ واقعے کی ایک ویڈیو منظر عام پر آئی ہے، جس میں کچھ وکلاء آپس میں جھگڑتے نظر آرہے ہیں، تبھی ایک شخص ہوا میں فائرنگ کرتا نظر آرہا ہے۔ بار کونسل آف دہلی کے صدر کے کے منان نے واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اس معاملے کی تفصیلی انکوائری شروع کی جائے گی، انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر اسلحہ لائسنس یافتہ ہو تب بھی کوئی وکیل یا دیگر عدالت کے احاطے میں یا اس کے اردگرد استعمال نہیں کرسکتا۔

کرناٹک کی تاریخ میں پہلی بار اسمبلی بغیر اپوزیشن کے چل رہی ہے

کرناٹک بی جے پی کی جانب سے اپوزیشن لیڈر منتخب نہ کیے جانے کو لے کر وزیر اعلیٰ سدرامیہ نے کہا کہ بھارتیہ جنتا پارٹی سب سے زیادہ انڈسپلنڈ پارٹی ہے۔ ریاستی وزیر داخلہ ڈاکٹر پرمیشور نے کہا کہ بی جے پی میں سب کچھ اچھا نہیں ہے، اس کے لیڈران آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں، اس پر وضاحت دیتے ہوئے سابق وزیر اعلیٰ و بی جے پی لیڈر بسوراج بومائی نے کہا کہ بی جے پی لیڈران کا آپس میں کوئی تضاد یا جھگڑا نہیں ہے اور کہا کہ پارٹی کی ہائی کمان کی جانب سے جلد آبزرورز مقرر کیا جائے گا اور جلد ہی اپوزیشن لیڈر کا انتخاب کیا جائے گا۔ اس معاملے پر کرناٹک کے سابق وزیر اعلیٰ اور بی جے پی لیڈر بی ایس یدیورپا نے کہا کہ مرکزی قیادت ریاستی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر کے بارے میں فیصلہ کرے گی۔ بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کے سینئر رہنما نے کہا کہ ہم نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے، یہ مرکزی قیادت پر چھوڑ دیا گیا ہے، وہ فیصلہ کریں گے۔

بہار کے 8 اضلاع میں آسمانی بجلی گرنے سے 15 لوگوں کی موت، سی ایم کا اظہار افسوس

بہار کے آٹھ اضلاع میں آسمانی بجلی گرنے سے 15 لوگوں کی موت ہوگئی ہے، وزیر اعلیٰ نتیش کمار نے اس واقعہ پر دکھ کا اظہار کیا ہے، عہدیداروں نے یہ اطلاع دی، حکام نے بتایا کہ روہتاس میں پانچ، کٹیہار، گیا اور جہان آباد میں دو دو اور کھگڑیا، کیمور، بکسر اور بھاگلپور میں ایک ایک کی موت ہوئی، ان تمام اموات پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا ہے کہ وہ آفت کی اس گھڑی میں متاثرہ خاندانوں کے ساتھ ہیں، انہوں نے مرنے والوں کے لواحقین کو بلا تاخیر 4 لاکھ روپے کی ایکس گریشیا دینے کی ہدایت دی ہے۔

محمد اسعداللہ قاسمی

تبریز ماب لنچنگ معاملے میں 10 ملزمین کو سزا

سرائے کیلا کے دھتکیڈیہ گاؤں میں سال 2019 کو ہوئی تبریز انصاری ماب لنچنگ معاملے میں اے ڈی جے ون امیت شیکھر کی کورٹ نے 10 ملزمین کو ایک بیان 10-10 سال کی سزا سنائی ہے، ساتھ ہی 15-15 ہزار کا جرمانہ بھی لگایا ہے، بتادیں کہ اس معاملے میں کورٹ نے 27 جون کو دس ملزمین کو ملزم قرار دیا تھا، جب کہ دو کو گواہ کی کمی کے سبب رہا کیا گیا تھا، کورٹ نے انہیں 10-10 سال کی سزا سنائی ہے ان میں پرکاش منڈل عرف پر منڈل، بھیم سنگھ منڈا، اتل مہالی، سونا مو پردھان، وکرم منڈل، چامو نائک، پریم چند مہالی، کمل مہتو، مدن نائک اور مہیش مہالی کے نام شامل ہیں، انہیں آئی پی سی کی دفعہ 304,323,325,341,295(A) اور 149 کے تحت ملزم قرار دیا گیا ہے، سزا کے نقطہ پر بدھ کو سماعت ہوئی، بتادیں کہ 19 جون 2019 کو سرائے کیلا کے دھتکیڈیہ گاؤں میں تبریز انصاری پر چوری کا الزام لگاتے ہوئے اس کے ساتھ مارپیٹ کی گئی تھی، پولس نے تبریز کو گرفتار کر 20 جون کو سرائے کیلا جیل بھیج دیا تھا، 22 جون کو تبریز کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی تو اسے سرائے کیلا صدر اسپتال لایا گیا جہاں علاج کے دوران اس کی موت ہوگئی، ماب لنچنگ کے شکار تبریز انصاری معاملے میں سزا کا اعلان ہونے کے بعد تبریز کی بیوی شائستہ پروین نے کورٹ کے فیصلے کا اعزاز کرتے ہوئے ملزمین کو زیادہ سے زیادہ سزا دلانے کی مانگ کی، کہا کہ ملزمین کو سخت سے سخت سزا دلانے کیلئے اوپری عدالت تک جاؤں گی۔

مویشی چوری کے شبہ میں پیٹ پیٹ کر قتل

میگھالیہ کے مغربی گارو پہاڑی ضلع میں آسام کے رہنے والے ایک شخص کا مویشی چوری کرنے کے شبہ میں پیٹ پیٹ کر قتل کر دیا گیا، پولیس نے بدھ کو بتایا کہ یہ واقعہ پیر کی رات کو سیلسیلا کے ریکاگرے گاؤں میں پیش آیا، ضلع کے پولیس سپرنٹنڈنٹ وویکانند سنگھ نے بتایا کہ مہلوک کی شناخت پوراں دیارا گاؤں کے عین الحق کے طور پر کی گئی ہے، گاؤں میں لوگوں نے اس وقت اس کی بری طرح پٹائی کر دی جب وہ دو گولیوں کے ساتھ بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا، انہوں نے بتایا کہ اس دوران اس کو پکڑ لیا گیا اور اس کی بری طرح پٹائی کی گئی، انہوں نے بتایا کہ جب تک پولیس ٹیم جائے واردات پر پہنچی تب تک اس کی موت ہو چکی تھی، حق کو پہلے بھی گرفتار کیا گیا تھا اور تورا پولیس تھانہ میں اس کے خلاف کئی معاملے درج ہیں۔

مدھیہ پردیش کے بی جے پی رہنما نے خانہ بدوش شخص کے چہرے پر پیشاب کردیا

ریاست مدھیہ پردیش کے ضلع سدھی میں بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کے ایک رہنما نے ایک خانہ بدوش نوجوان کے چہرے پر پیشاب کر دیا، بی جے پی رہنما کا نام پرویش شکلا بتایا جارہا ہے جو بی جے پی ایم ایل اے کیدار ناتھ شکلا کا ساتھی بتایا جاتا ہے، وائرل ویڈیو میں دیکھا جاسکتا ہے کہ خانہ بدوش نوجوان ایک سیڑھی پر بیٹھا ہوا ہے اور سگریٹ پیتا ہوا ایک شخص اس کے چہرے پر پیشاب کر رہا ہے، اس شخص کی شناخت پرویش شکلا کے طور پر کی گئی ہے۔ ویڈیو سامنے آنے کے بعد پولیس نے ملزم کو گرفتار کرلیا، یہ واقعہ 26 جون کو پیش آیا تھا، ضلع سدھی کے سپرنٹنڈنٹ آف پولیس رویندر ورما نے واقعے کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ پرویش شکلا کے خلاف ایف آئی آر درج کر لی گئی ہے، دریں اثنا بی جے پی ایم ایل اے کیدار ناتھ شکلا نے ایک ٹویٹ کے ذریعے ملزم کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعلق سے انکار کیا ہے تاہم انہوں نے کہا کہ پرویش کو جانتے ضرور ہیں۔

طب وصحت

صحت وتندرستی کے آٹھ رہنما اصول

اللہ تعالیٰ کی بے پناہ نعمتوں میں صحت وتندرستی ایک بیش بہا نعمت ہے، بالکل درست کہا گیا ہے کہ جان ہے تو جہان ہے، اگر انسان صحت مند نہ ہو تو دنیا کی تمام رنگینیاں، دلچسپیاں، گونا گوں نعمتیں ہیچ نظر آتی ہیں، صحت وتندرستی کے عالم میں انسان کو اس نعمت کی قدر و قیمت کا قطعی احساس نہیں ہوتا؛ لیکن بیماری، دکھ اور تکالیف جھیل کر اور پھر خوش قسمتی سے بیماری سے مکمل شفایابی پا کر اسے اس انمول اور بیش بہا نعمت کی قدر و قیمت کا احساس ہوتا ہے کہ تندرستی ہزار نعمت ہے، بہترین صحت بخش غذا کا حصول، ورزش، آرام، ذہنی اور دماغی سکون، بروقت علاج معالجہ ہماری زندگی کو پرسکون اور صحت مند بنانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، آج ہم آپ کو صحت اور تندرستی کے چند اصول بتاتے ہیں، اگر ان پر عمل کیا جائے تو ایک صحت مند زندگی گزاری جاسکتی ہے:

1۔ **متوازن غذا کھائیں**: ہماری غذا صحت کو مختلف طریقوں سے متاثر کرسکتی ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے آپ جو کھاتے ہیں وہی آپ کی صحت ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر آپ متوازن غذا کا استعمال کریں گے تو آپ صحت مند اور بیماریوں سے دور رہیں گے، متوازن غذا کے لیے ضروری ہے کہ آپ ہر چیز کو اپنی غذا میں شامل کریں جن میں وٹامنز بھرپور مقدار میں موجود ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ اپنے کھانے میں احتیاط برتیں، تلی ہوئی چیزوں یا مٹھاس کو بہت کم کر دیں، کھانا کھاتے وقت کوشش کریں کہ کم کھائیں زیادہ کھانا بھی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔

2۔ **ورزش کرنا عادت بنائیں**: ماہرین صحت کہتے ہیں کہ اگر انسان روزانہ دو گھنٹے کی ہلکی پھلکی ورزش کرے یا چلے پھرے تو اس سے جسم میں خون کی روانی بہتر ہوتی ہے جو بلڈ پریشر کے مریضوں کے لیے انتہائی مفید ہے، چلنے پھرنے سے جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ ذہنی کارکردگی بھی بہتر ہوتی ہے؛ جب کہ ذہنی دباؤ سے چھٹکارا ملتا ہے، جسمانی ورزش کے لیے بہتر ہے کہ آپ گھر کی صفائی خود کریں اور لفٹ استعمال کرنے سے بہتر ہے کہ سیڑھیاں چڑھنے کو ترجیح دیں، آپ کو کسی جم کو جوائن کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

3۔ **دماغی صحت کو ہرگز نظرانداز نہ کریں**: ہم میں سے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو صرف اپنی جسمانی صحت کا خیال رکھتے ہیں اور اپنی ساری توجہ صرف جسمانی صحت پر ہی دیتے ہیں، اگر ہماری دماغی صحت خراب ہوگی تو اس سے ہماری جسمانی صحت خود بخود متاثر ہوجاتی ہے۔

4۔ **ناشتہ لازمی کریں**: کمزوری سے بچئے، جسمانی اور ذہنی صحت کو تندرست رکھنے کے لیے ناشتہ ضرور کریں، ناشتہ نہ کرنے سے جسم نہ صرف لاغر ہونے لگتا ہے؛ بلکہ اس کا اثر ذہنی صلاحیتوں پر بھی بڑھتا ہے جس سے آپ کی ذہنی صلاحیت ماند پڑنا شروع ہو جاتی ہے، اسی لیے طبی ماہرین بھرپور ناشتہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

5۔ **زیادہ سے زیادہ پانی پیئں**: پانی کی اہمیت سے ہر انسان واقف ہے؛ لیکن پھر بھی اس کو اہمیت نہیں دی جاتی، اگر آپ روزانہ سافٹ ڈرنکس، چائے اور کافی ہی پیئں گے تو اس سے آپ کی صحت متاثر ہوسکتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ پانی پیا کریں، پانی جسم کو تر و تازہ رکھتا ہے جب کہ اس سے جسم کے تمام تر نظام بھی صحیح رہتے ہیں، پانی ہمیشہ بیٹھ کر پیئیں۔

6۔ **بھرپور نیند کریں**: اللہ تعالیٰ نے رات کو سونے کے لیے بنایا ہے اور ماہرین صحت بھی کہتے ہیں کہ اگر رات کو بھرپور نیند لے لی جائے تو آپ تندرست و توانا رہیں گے، ہر شخص کو کم از کم آٹھ گھنٹے کی نیند لازمی پوری کرنی چاہیے۔ بھرپور نیند لینے سے روزمرہ کے کام کرنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے جب کہ تھکن، چڑچڑے پن اور ذہنی دباؤ سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے، رات کے اوقات کی نیند دن کی نیند کے مقابلے میں دگنا فائدہ دیتی ہے۔

7۔ **ہاتھ اچھی طرح دھوئیں**: ہاتھ دھونا بیماریوں اور ان کے پھیلاؤ سے بچنے کا سب سے بہترین ذریعہ ہے، ماہرین صحت کا کہنا ہے کہ عام طور پر لوگوں کو نزلہ، زکام اور بخار اسی لیے ہوتا ہے کہ وہ گندے ہاتھوں سے ہی کھانا کھاتے ہیں اور بیماریاں پھیلنے کا سبب بھی گندے ہاتھ ہی بنتے ہیں۔

8۔ **تمباکو نوشی سے گریز کریں**: اگر آپ صحت مند زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ تمباکو نوشی سے دور رہیں کیونکہ تمباکو نوشی امراضِ قلب، بلڈ پریشر اور پھیپھڑوں کے مسائل کا باعث بنتی ہے۔

Volume:63/73,Issue:25 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

Scanned with CamScanner

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND
NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF, PATNA-801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

کچھ لوگ جو سوار ہیں کاغذ کی ناؤ پر
تہمت تراشتے ہیں ہوا کے دباؤ پر
(احسان دانش)

جمہوریت ہندوستان کی رگوں میں پیوست ہے

معصوم مرادآبادی

بی جے پی اقتدار کے بعد مسلمان خوف کی جس نفسیات میں مبتلا ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، یہ نفسیات گزشتہ نو سال کے دوران دائیں بازو کے انتہا پسندوں کی ریشہ دوانیوں کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے، فسطائی عناصر نے جس انداز میں مسلمانوں کا جینا محال کر رکھا ہے، اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، حکومت کے کارندوں سے جب بھی اس صورتحال پر سوال کیا جاتا ہے تو وہ اسے مفروضہ قرار دے کر ٹال جاتے ہیں، تاہم پوری دنیا ان حالات سے باخبر اور بے چین ہے، یہی وجہ ہے کہ پچھلے ہفتہ وزیر اعظم کو امریکہ میں جس تلخ سوال کا سامنا کرنا پڑا وہ ہندوستانی مسلمانوں سے متعلق ہی تھا، یہ الگ بات ہے کہ بہت سے دیگر ضروری سوالوں کی طرح وزیر اعظم مودی نے اس سوال کو بھی غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بقول منیر نیازی۔

کسی کو اپنے عمل کا حساب کیا دیتے
سوال سارے غلط تھے، جواب کیا دیتے

ایک امریکی صحافی سبرینا صدیقی نے وائٹ ہاؤس کی پریس کانفرنس میں صدر مملکت جو بائڈن کی موجودگی میں جب وزیر اعظم نریندر مودی سے ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے امتیازی سلوک پر سوال پوچھا تو وہ اس کا سیدھا جواب دینے کی بجائے جمہوریت کی دہائی دیتے ہوئے نظر آئے؛ لیکن اس جمہوریت کی اصلیت اس وقت عیاں ہوگئی جب سوال پوچھنے والی خاتون صحافی سبرینا صدیقی کی اندھ بھکتوں نے ناکہ بندی شروع کردی، بات اتنی بڑھی کہ خود وائٹ ہاؤس کو سبرینا صدیقی کو ہراساں کئے جانے کی شدید الفاظ میں مذمت کرنی پڑی، سبرینا صدیقی اس وقت سے سنگھ پریوار کے مسلسل نشانے پر ہیں جب سے انھوں نے وائٹ ہاؤس میں وزیر اعظم نریندر مودی سے سوال پوچھا ہے، اس سوال کے جواب میں وزیر اعظم نے کہا کہ جمہوریت ہمارے رگوں میں پیوست ہے اور یہ ہمارے ڈی این اے کا حصہ ہے؛ لیکن ایک سچا سوال پوچھنے کے عوض سبرینا کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ کہیں سے بھی وزیر اعظم کے بیان کی تصدیق نہیں کرتا ہے؛ کیونکہ سوال پوچھنا جمہوریت کی پہلی نشانی ہے۔ جمہوری نظام کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ آپ کسی سے بھی بے خوف ہوکر سوال پوچھ سکتے ہیں؛ لیکن یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ سبرینا نے جب سے ایک سوال پوچھا ہے تب سے اس کا جینا حرام کردیا گیا ہے، اس کے خلاف سوشل میڈیا پر طرح طرح کی بہتان تراشی کی جارہی ہے اور اسے بری طرح ٹرول کیا جارہا ہے، یہی وجہ ہے کہ وائٹ ہاؤس کے سیکورٹی ترجمان جان کربی نے سبرینا صدیقی کو نشانہ بنانے والی آن لائن ٹرولنگ کے بارے میں کہا کہ یہ قطعی طور پر ناقابل قبول اور جمہوری اصولوں کے منافی ہے۔ بعد کو وائٹ ہاؤس کی پریس سکریٹری کیرن جین پیر نے کہا ''ہم آزادی صحافت کے لیے پرعزم ہیں اور کسی صحافی کو ڈرانے یا ہراساں کرنے کی کسی بھی کوشش کی مذمت کرتے ہیں، یہ بات بھی جانتے ہیں کہ وزیر اعظم نریندر مودی تلخ و ترش سوالات سے بچنے کے لیے کبھی میڈیا کے روبرو نہیں ہوتے، انہوں نے اپنے 9 رسالہ اقتدار میں اندرون ملک کوئی ایک بھی پریس کانفرنس نہیں کی جب کہ ان کے پیش رو وزرائے اعظم درجنوں پریس کانفرنسوں کو خطاب کر چکے ہیں اور کسی بھی وزیر اعظم نے کبھی صحافیوں سے کنی کاٹنے کی کوشش نہیں کی، میڈیا جمہوریت کا چوتھا ستون ہے اور اس کے بغیر جمہوریت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا؛ حالانکہ ہمارے ملک میں اس وقت میڈیا کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، میڈیا اگر وہ صحیح معنوں میں غیر جانبدار ہے تو حکومت کی خامیوں کی نشاندہی کرتا ہے، لیکن موجودہ حکومت میڈیا کے اس کردار کو تسلیم ہی نہیں کرتی، یہی وجہ ہے کہ گزشتہ ہفتہ وزیر اعظم نریندر مودی کے دورہ امریکہ میں وائٹ ہاؤس کی پریس کانفرنس کے دوران جب وال اسٹریٹ جرنل کی رپورٹر سبرینا نے ہندوستانی مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے ساتھ ہونے والے امتیازی سلوک کے بارے میں سوال کیا تو وزیر اعظم کچھ پریشان نظر آئے اور انہوں نے اس سوال کا کوئی واضح جواب دینے کی بجائے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کی رگوں میں دوڑتے ہوئے جمہوری خون اور ڈی این اے کا ذکر کیا۔ سبرینا صدیقی نے وزیر اعظم سے پوچھا تھا کہ انسانی حقوق کے بہت سے گروپ کہتے ہیں کہ آپ کی حکومت نے مذہبی اقلیتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا ہے اور اپنے ناقدین کو خاموش کرنے کی کوشش کی ہے۔"

سبرینا نے آگے پوچھا کہ آپ اور آپ کی حکومت مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے حقوق کو بہتر بنانے کے لئے کون سے اقدامات کرنے کو تیار ہے، وزیر اعظم نریندر مودی نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مجھے حیرت ہے کہ آپ ہندوستان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتیں، ہم دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہیں؛ بلکہ جمہوریت ہماری رگوں میں ہے، ہم جمہوریت کو ہر روز جیتے ہیں، ہمارے یہاں ذات پات نسل اور مذہب کی بنیاد پر کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہماری حکومت سب کا ساتھ سب کا وکاس، سب کا وشواس اور سب کا پریاس کے اصول پر چلتی ہے، اسی لیے ہندوستان کی جمہوری اقدار میں کوئی امتیاز نہیں ہے، جیسا کہ صدر بائیڈن نے کہا کہ جمہوریت ہندوستان اور امریکہ دونوں کے ڈی این اے میں ہے، ہمارے آباء واجداد نے بہت ہی بہترین اور مضبوط آئین دیا ہے، اسے لفظوں میں ڈھالنے کا بھی کام کیا، وزیر اعظم نریندر مودی کے اس جواب میں کتنی حقیقت ہے اور کتنا فسانہ، اس پر ہم زیادہ کچھ نہیں کہیں گے؛ کیونکہ دنیا اس کی حقیقت سے واقف ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وزیر اعظم کے دورۂ امریکہ کے وقت سابق امریکی صدر بارک اوبامہ یہ بیان نہیں دیتے کہ اگر ہندوستان اپنی مسلم اقلیت کا تحفظ نہیں کرتا تو اس کے بکھر جانے کا خطرہ ہے، اتنا ہی نہیں اس موقع پر درجنوں امریکی قانون سازوں نے صدر بائیڈن کے نام ایک مکتوب میں وزیر اعظم مودی کے سامنے ہندوستان میں انسانی حقوق کے مسائل اٹھانے کی اپیل کی تھی، خبر رساں ایجنسی رائٹر کے مطابق تقریباً 75 رڈیموکریٹس نے بائیڈن کو خط لکھ کر کہا کہ وہ ہندوستان میں مذہبی عدم برداشت، آزادی صحافت، انٹرنیٹ کی بندش، اور سول سوسائٹی کے گروپوں کو نشانہ بنائے جانے پر فکرمند ہیں۔ اس خط میں کہا گیا ہے کہ نریندر مودی 2014 میں وزیر اعظم بننے کے بعد سے پانچ مرتبہ امریکہ کا دورہ کر چکے ہیں؛ لیکن یہ ان کا پہلا سرکاری دورہ ہے، تاہم مودی کی قیادت میں ہندوستان کو ایک ہندو قوم پرست ملک کے طور پر پیش کیا جارہا ہے، جہاں انسانی حقوق کی صورتحال ابتر ہوتی جارہی ہے، اس کے باوجود امریکہ نے مودی کو سرکاری دورے پر مدعو کیا، قابل ذکر بات یہ ہے کہ حقوق انسانی کے کئی امریکی گروپوں نے مودی کے دورے کے موقع پر احتجاجی مظاہرے کئے اور وائٹ ہاؤس کے روبرو پوسٹر بھی لہرائے؛ مگر ہندوستان میں حکمراں جماعت سے وابستہ لوگوں نے حقیقت حال کا ادراک کرنے کی بجائے ان لوگوں کا منہ نوچنے کی کوشش کی جنہوں نے سچ کو اجاگر کرنے کا جوکم اٹھایا، ایک طرف جہاں مودی کابینہ کے بعض وزیروں نے سابق صدر بارک اوبامہ کے بیان پر اوچھی تنقید کی؛ بلکہ وائٹ ہاؤس میں وزیر اعظم سے سوال پوچھنے والی وال اسٹریٹ جرنل کی نامہ نگار سبرینا صدیقی کے خلاف بھی محاذ کھول دیا، سب سے پہلے بی جے پی آئی ٹی سیل کے سربراہ امت مالویہ نے سبرینا کے سوال کو بدنیتی پر محمول کرتے ہوئے انھیں ٹول کٹ گینگ کا حصہ قرار دے ڈالا، اس کے بعد دائیں بازو کے انتہا پسند عناصر بری طرح سبرینا پر ٹوٹ پڑے؛ حالانکہ کئی سرکردہ شخصیات نے سبرینا کو ایک بہادر صحافی قرار دے کر ان کی حوصلہ افزائی کی؛ لیکن اندھ بھکتوں نے سوشل میڈیا پر سبرینا کو ٹھکانے لگانے کی کوششوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہی وجہ ہے کہ اس معاملے میں خود وائٹ ہاؤس نے سامنے آکر سبرینا کو نشانہ بنانے کی سخت الفاظ میں مذمت کی، اس واقعہ سے ہندوستان میں جمہوریت کی اصلیت اور میڈیا کی آزادی کے دعوؤں کی پول بھی کھل گئی۔

☆ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے، فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں، مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر آپ سالانہ یا ششماہی زرتعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کردیں۔ رابطہ اور واٹس اپ نمبر 9576507798
A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168, Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233
نقیب کے شائقین نقیب کے آفیشیل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ (محمد اسعداللہ قاسمی منیجر نقیب)
WEEK ENDING- 10/07/2023, Fax : 0612-2555280, Phone:2555351,2555014,2555668, E-mail: naqueeb.imarat@gmail.com, Web. www.imaratshariah.com,
نقیب قیمت فی شمارہ -/8 روپے ششماہی -/250 روپے سالانہ -/400 روپے

Print & Design by : Azimabad Printers, Patna-06 # 8434419421
Scanned with CamScanner